جدید سیرت نگاری میں تقابلی رجحان ــــ تجزیاتی مطالعہ

حافظ محمود اختر*

قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ وہ دو بنیادی موضوعات ہیں جو مسلمانوں کی توجہات کا مرکزی نقطہ ہیں۔ مسلمانوں کی فکر، ان کی صلاحتیں اوران کی تمام کاوشیں اسی محور کے گرد گردش کرتی ہیں۔ انہی دو موضوعات سے دیگر لاتعداد علوم کے چشمے پھوٹے اور مسلمانوں نے وہ گراں قدر خدمات سرانجام دیں جو ملت اسلامیہ کیلئے سرمایہ افتخار ہیں۔

سیرت نگاری مسلمانوں کی روحِ جان ہے۔ لوگ سیرت نگاروں میں اپنے آپ کو شامل کرنا دنیا و مافیہا کی نعمتوں سے بالاتر نعمتِ الٰہی سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں نے مختلف جہتوں سے سیرت طیبہ پر اپنی قلمی وفکری صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے۔ عصر حاضر کی سیرت نگاری میں نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کا دیگر مذاہب کی کتابوں میں مذکور روایات کی روشنی میں انبیاء کرام اور ہادیان مذاہب کی زندگیوں اور مذاہبِ عالم کی تعلیمات سے تقابل کا رجحان ہے۔

سیرت نگاری میں تقابلی مطالعہ کا جواز اوراس کی نزاکت:

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کی امتیازی حیثیت کا تذکرہ قرآن کی اس آیت مبارکہ میں کیا گیا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾(۱)

وہ لوگ جو (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نبی امی کی پیروی کرتے ہیں۔ جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اورانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پرحرام ٹھہراتے ہیں اوران پر سے بوجھ اورطوق جوان پر تھے اتارتے ہیں۔ تو جولوگ ان پر ایمان لائے اوران کی رفاقت کی اورانہیں مدد دی اور جونوران کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی وہی مراد پانے والے ہیں۔ اس آیت مبارکہ کے علاوہ بھی بہت سی آیات میں نبی کرم ﷺ کے امتیازات کا ذکر ہے۔ مثلا: سورۃ الاحزاب کی آیات: ۶، ۲۱، ۴۰، ۴۶، ۵۶، ۵۷، ۵۰

اسی طرح خود رسول اکرم ﷺ کا فرمان گرامی جس میں آپ کے امتیازات کا تذکرہ ہے:

''أُعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِی نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِی الْأَرْضُ

* پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان

مَسْجِدًا وَطَهُورًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِي الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً ۔"(۲)

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسے کو نہ دی گئی تھیں، مجھے ایک مہینہ کی دوری سے رعب کے ذریعہ مدد دی گئی، زمین میرے لیے مسجد اور پاک بنا دی گئی، لہذا میری امت میں جس شخص پر نماز کا وقت (جہاں) آ جائے، اسے چاہئے کہ (وہیں زمین پر) نماز پڑھ لے، میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیئے گئے، حالانکہ مجھ سے پہلے کسی (نبی) کے لئے حلال نہ کئے گئے تھے، مجھے شفاعت کی اجازت دی گئی، ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا، اور میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔"

سیرت نگاری میں تقابلی رجحان اگرچہ ایک قدیم موضوع ہے لیکن بیسویں صدی عیسوی میں یہ رجحان اس لحاظ سے بھی پیدا ہوا کہ دین اسلام کی وسعت اور اثر پذیری ان علاقوں میں ہوئی جہاں کثرت سے غیر مسلم آباد تھے۔ ان تک پیغمبر اسلام کا تعارف و پیغام پہنچانا مقصود تھا۔ علاوہ ازیں مستشرقین کا بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کی طرف رجحان ہوا خواہ وہ استعماری مقاصد کے لیے تھا۔ انہوں نے پیغمبر اسلام کی سیرت پر قلم اٹھایا۔ مسلمان سیرت نگاروں نے اپنی کتب میں ان کے اعتراضات کا جواب دیا۔

انبیائے کرام کے بارے میں قرآن مجید نے ایک طرف ہمیں یہ عقیدہ دیا ہے کہ:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى﴾ (۳)

"یہ رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا: ﴿ولقد فضَّلنا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ علٰى بَعْض﴾ (۴) "یقیناً ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت عطاء کی ہے۔" اور اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی دیا کہ ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ (۵) کہ تمام انبیائے کرام کے اللہ کا سچا نبی ہونے اور ان پر ایمان لانے کے حوالے سے ہم ان میں فرق نہیں کرتے یعنی ان سب کو اللہ کا سچا نبی ماننے میں فرق کرنا جائز نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ لاتخیروا بین الانبیاء (۶) اس بناء پر علماء نے تخییر بین الانبیاء سے منع کیا ہے۔ اس سلسلے میں قاضی سلیمان منصور پوری اپنی کتاب رحمۃ للعلمین میں مختلف علماء کے اقوال کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْض﴾ (۷) "یہ رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ یہ فضیلت اللہ نے دی ہے۔ بندوں کو چاہیے کہ وہ خود اپنی طرف سے اپنے دلائل کے ساتھ یا اپنے بنائے ہوئے اصولوں کے تحت انبیاء میں سے بعض کو بعض پر فضیلت نہ دینے لگ جائیں۔ زیر نظر موضوع کی مناسبت سے قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ: یہ موضوع بڑا احساس ہے کہ آپ کی افضیلت ثابت کرتے ہوئے کہیں دیگر انبیائے کرام کی توہین یا تنقیص کا پہلو پیدا نہ ہو جائے۔ (۸)

اس پہلو پر سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ تمام انبیائے کرام تمام کمالاتِ نبوت وفضائل اخلاق سے یکساں طور پر سرفراز تھے مگر زمانہ اور ماحول کی ضروریات اور مصالح الٰہی کی بنا پر ان تمام کمالات کا علمی ظہور تمام انبیاء میں یکساں طور پر نہیں ہوا بلکہ کسی ایک کے بعض کمالات اور دوسرے کے دوسرے کمالات زیادہ نمایاں ہوئے یعنی جس زمانے کے حالات کے لحاظ سے جس کمال کے اظہار کی ضرورت تھی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا اور ایک ایسے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی وہ کمال منظر پر نہیں آیا۔ ہر کمال کے اظہار کیلئے مناسب موقع ومحل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ایک زمانے میں ایک کمال کے اظہار کی ضرورت پیش نہیں آئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی میں وہ کمال موجود ہی نہ تھا۔ اس بات کو قاضی سلیمان اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب بدر کے قیدیوں کے حوالے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے یہ تھی کہ انہیں چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے تو حضورﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے شدتِ رحمت میں لوگوں کے قلوب مختلف بنائے ہیں۔ اے ابوبکر تمھاری مثال ابراہیم اور عیسٰی علیہما السلام کی اور اے عمرؓ آپ کی مثال نوح اور موسیٰ علیہما السلام کی ہے۔ یعنی ایک فریق میں رحم وکرم اور دوسرے فریق میں شدت کا اظہار ہوتا ہے۔ سید سلیمان ندوی انبیائے کرام کے کمالات کے باہمی فرق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا انداز ہرگز اختیار نہ کیا جائے کہ ایک نبی کی شان بیان کرتے ہوئے دوسرے کی تنقیص کا انداز اختیار کر لیا جائے۔ اگر آپﷺ کی شان بیان کرتے کرتے کسی دوسرے نبی کی شان کو گھٹانے کا ذرا سا شائبہ بھی پیدا ہو جائے تو یہ شرعی اعتبار سے جرم ہوگا اور اصولی طور پر افراط وتفریط کا مظاہرہ ہوگا۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس سے تو ایمان کے ضائع ہونے کا خدشہ پیدا ہو جائے گا۔(۹)

نبی کریمﷺ کے اصل مقام ومرتبے کو پیش کرنا اور دیگر انبیائے کرام کے مقام ومرتبہ کے درمیان فرق وامتیاز کرتے ہوئے آپﷺ کا مقام بیان کرنا ایک بڑا احساس اور نازک موضوع ہے۔ یہ تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے کہ آپﷺ کا مقام ومرتبہ اور آپ کے پیغام کی امتیازی حیثیت بھی واضح ہو جائے اور دیگر انبیائے کرام کی شان میں کسی طور پر کوئی کمی کا شائبہ بھی نہ آنے پائے۔

سیرت نگاروں میں سے بعض نے اپنی تالیفات کو مکمل طور پر صرف اس ایک ہی موضوع کے ساتھ مختص کر دیا ہے کہ حضور اکرمﷺ کے امتیازات کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا جائے لیکن اکثر سیرت نگاروں نے آپﷺ کی سیرت طیبہ کا دیگر انبیاء کرام کی تعلیمات وکردار کے تقابل کو اپنی تالیفات کے ایک باب یا جزء کے طور پر بیان کیا ہے۔ بالعموم سیرت نبویﷺ کے اس تقابلی رجحان میں جن موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ان میں قبل از اسلام عرب معاشرت کا جائزہ اور مذاہب کا مطالعہ، کتب سابقہ میں رسول اکرم کی بشارات اور آپ کا تذکرہ، آپ کی ذات وشخصیت، صفات واخلاق، خصائص، معجزات اور آپ کی تعلیمات شامل ہیں۔ اگرچہ جزدی طور پر تو اکثر سیرت نگاروں نے سیرت کے تقابلی پہلو کا کسی نہ کسی طور سے تذکرہ

کیا ہے۔مگر ہم یہاں ان سیرت نگاروں کا جائزہ پیش کریں گے جنہوں نے اپنی کتاب کے غالب حصہ میں اس پہلو کو مدنظر رکھا ہے۔ذیل میں ہم مختصر طور پر اس رجحان پر لکھی گئی کتب کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

ا۔ رحمة للعٰلمین از قاضی سلیمان منصور پوریؒ:

قاضی سلیمان منصور پوری کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ انبیاء سابقین کے حوالہ سے کتب سابقہ میں بہت سی ایسی باتیں الحاقی طور پر شامل ہوگئی ہیں۔اور ان الحاقی روایات کی تائید واقعاتی شواہد سے نہیں ہوتی۔اس کے علاوہ توراۃ میں بیان شدہ حقائق کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے بھی موجودہ اہل کتاب غلط فہمیوں کا شکار ہوگئے ہیں۔وہ اپنی کتاب رحمۃ للعالمین میں نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے واقعاتِ سیرت کا انبیائے سابقین کے احوال وواقعات کیساتھ تقابل کرتے ہیں۔(۱۰) حضرت ہاجرہ کے بارے میں اس روایت کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ثابت کرتے ہیں کہ وہ لونڈی نہیں تھیں بلکہ بادشاہِ مصر کی بیٹی تھیں۔ اس کتاب میں حضرت اسماعیل یا حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح اللہ ہونے کے بارے میں تقابلی اور تحقیقی مطالعہ موجود ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ جمہور مسلمانوں کے نزدیک یہی امر زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں (رحمۃ للعالمین، جلد دوم، صفحہ ۴۹) وہ لکھتے ہیں کہ اہل کتاب حضرت اسماعیل کو حضرت ابراہیم کا جسمانی بیٹا مانتے ہیں اور ان کے روحانی مدارج کا انکار کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اہل کتاب اس مقام تک توراۃ پر غور نہ کرنے یا توراۃ کا فیصلہ نہ ماننے کی وجہ سے پہنچے ہیں۔قاضی سلیمان توراۃ سے اقتباس پیش کر کے واضح کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیل ہر اس فضیلت کے مالک ہیں جو حضرت اسحاق علیہ السلام میں پائی جاتی ہے۔مصنفِ کتاب حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کے بارے میں اہل کتاب کے پیدا کردہ ابہامات کی وضاحت اسلام اور توراۃ کے بیانات کے تقابل سے کرتے ہیں۔(۱۱)

قاضی سلیمان نے دوسری جلد کے پانچویں باب میں انبیائے سابقین کے طریق دعوت، دلائل دعوت اور ان کے اخلاق کے مختلف پہلو آیات قرآنیہ کے ساتھ بیان کئے اور ان خصائص میں مماثلت ثابت کرتی ہوئی وہ آیات جو حضور ﷺ کے طریق ودلائل دعوت اور کردار واخلاق کی بلندی سے متعلق ہیں، پیش کر کے حضور ﷺ کی افضلیت ثابت کی ہے۔اس کے ساتھ ہی وہ قرآن کی وہ آیات بیان کرتے ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ کے طریق دعوت، دلائل دعوت اور آپ کے اخلاق کا ذکر ہے اور اس پہلو کو اجاگر کیا ہے کہ انبیائے سابقین اور حضور ﷺ میں طریق دعوت اور نوعیت کے اعتبار سے تو مماثلت موجود ہے لیکن حضور کی دعوت عالمگیر تھی۔قاضی سلیمان منصور پوری نے رسول اللہ ﷺ کے تعداد ازواج کے بارے میں بھی انبیائے قدیم کے ساتھ موازنہ وتقابل کیا ہے۔اس طرح وہ نبی کریم ﷺ کے تعداد ازواج پر اہل مغرب کے اعتراضات کا جواب اس انداز سے دیتے ہیں کہ ان انبیائے سابقین کے ہاں بھی تعداد ازواج کی کثرت تھی۔اس سلسلے میں رحمۃ للعالمین

میں تفصیلی موازنہ موجود ہے اس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے اخلاق و کردار اور ان کے تبلیغی کام پر روشنی ڈالی ہے کہ اس تعدد کا مقصد دینوی نہ تھا بلکہ خواتین میں اشاعتِ دین کا مقصد کار فرما تھا۔(۱۲)

حضرت زینبؓ سے حضور اکرم ﷺ کی شادی کے بارے میں منافقین اور یہود نے شور مچایا اور آج بھی مخالفین چرچا کر رہے ہیں کہ حضرت زینب سے حضور ﷺ کا نکاح گویا اپنی مطلقہ بہو سے شادی تھی مخالفین اسلام کو اصل اعتراض یہ ہے کہ زید بن حارثہ حضور ﷺ کے بیٹے تھے اور حضرت زینبؓ آپ کی بہو تھیں۔مولانا منصور پوری لکھتے ہیں کہ تورات میں کہیں بھی کسی اور کی اولاد کو بیٹا بنانے کے جواز کا ذکر نہیں ہے حضرت مسیح علیہ السلام نے کہیں بھی اس فعل کو جائز نہیں قرار دیا۔ قاضی سلیمان اہل کتاب کی جانب سے اعتراضات کے حوالہ سے یہ لطیف نکتہ بیان کرتے ہیں کہ عیسائیوں کو حضرت زینبؓ کے ساتھ حضورؐ کی شادی پر اعتراض اس بنیاد پر ہے کہ اس سے نہ صرف مشرکین کی رسم بد کہ منہ بولے بیٹے کو بھی حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا کے ٹوٹنے پر انہیں تکلیف ہوئی تھی بلکہ اس سے عقیدہ ابنیتِ مسیح کا رد ہوتا ہے کیونکہ اسلام نے کہہ دیا کہ ایک انسان کو دوسرے کا بیٹا کہنا ایسی حالت میں کہ ان دونوں کے درمیان خون کا کوئی رشتہ موجود نہ ہو بالکل غلط، جھوٹ اور افتراء ہے تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ایک انسان کو خدا کا بیٹا کہنا تو حتماً اور قطعاً باطل ہے۔کیونکہ انسان کو خدا کے ساتھ کوئی مشابہت ہے ہی نہیں۔انسان جسم و روح سے مرکب ہے جو سیکڑوں انسانی حوائج کا محتاج ہے ایک انسانی بچہ جو ایک دن پیدا ہوا پیدائش سے پہلے وہ موجود نہ تھا۔وہ ایک دن مر بھی جائے گا۔جبکہ اللہ تو حی القیوم ہے۔یہی وہ راز ہے جس کی بنا پر وہ حضرت زینب کے حضور ﷺ سے نکاح کے بارے میں زیادہ ناگواری محسوس کرتے ہیں۔(۱۳)

نبی کریم ﷺ کے غزوات و سرایا کے حوالے سے اہل مغرب نے یہ غلط فہمی پھیلائی ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کے لیے جنگیں کیں۔مولانا منصور پوری نے حضور ﷺ کے تمام غزوات و سرایا میں دونوں فریقوں کے کُل کام آنے والوں اور قیدیوں کی تعداد کے گوشوارے اور مکمل اعداد و شمار پیش کئے ہیں۔ان لوگوں کی تعداد پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ وحشی عرب کو راہِ راست پر لانے، بت پرستوں کو توحید کا سبق سکھانے، خونخوار ڈکیتوں کو روکنے کیلئے فرانس سے دوگنا بڑے ملک میں امن قائم کرنے، صدیوں اور نسلوں کی عداوت و مخاصمت کو مٹا کر اخوت و روحانیت قائم کر کے اور استحصال و استبدادیت کو فنا کر کے جمہوریت استوار کرنے میں ۱۰۱۸ انفوس کی قربانی دی گئی۔اس کے مقابلے میں فرانس اور امریکہ کو جمہوریت قائم کرنے کیلئے جس قدر خون خرابہ کرنا پڑا، ان دونوں کا موازنہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ایک ملک کے دوسرے پر برتری حاصل کرنے اور کمزوروں کو پچھاڑنے کیلئے اس سے کئی گناہ زیادہ جانیں ضائع کر دی گئیں۔مولانا منصور پوری لکھتے ہیں نبی کریم ﷺ کی کامیابی کے بارے میں خیال کرو جنھوں نے ۱۰۱۸ قربانیوں کے بعد اس قدر روحانی، اخلاقی مادی اور ملّی فوائد حاصل کئے تھے جن کی بحیثیت مجموعی مثال آج تک دنیا کی کوئی قوم اور ملک حاصل

نہیں کرسکا۔قاضی سلیمان لکھتے ہیں کہ اہل دنیا کی لڑائیوں کو چھوڑ دیں۔دیگر مذاہب کی ان لڑائیوں پر نگاہ کرو جو مذہب کے نام پر لڑی گئیں جن کے لیے مولانا منصور پوری مقدسین کی لڑائیوں کا لفظ استعمال کرتے ہیں کہ ان مقدسین کی لڑائیوں کا حساب کرو۔مہابھارت کے مقتولین کی تعداد کروڑوں سے کم نہیں۔یورپ کی مقدس مذہبی انجمنوں نے لاکھوں افراد کو ہلاک کر دیا جان ڈیون پورٹ (John Dewanport) اپنی کتاب اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن (Apology for Mohammad and Koran) میں مذہبی عدالت کے احکام سے ہلاکتِ نفوس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی لڑائیاں مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کے لیے تھیں ہی نہیں۔(۱۴)

مولانا منصور پوری لکھتے ہیں کہ:

''انبیائے سابقین کے فضائل و مناقب کے بیان میں قرآن کے اسلوب میں جامعیت پائی جاتی ہے۔اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اس نقطہ نگاہ میں کوئی وزن نہیں کہ قرآن انجیل سے اخذ شدہ ہے۔قرآن میں حضرت یحیٰؑ کے بارہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں جبکہ انجیل میں انہیں صرف ''یوحنا بپتسمہ دینے والا'' ہی بیان کیا گیا۔سورۃ آلِ عمران کی آیت ۵۰ اور سورۃ مریم کی آیت ۱۲ یعنی صرف دو آیات میں حضرت یحیٰؑ کی جو بارہ صفات بیان ہوئی ہیں اتنی صفات لوقا کے تمام مقامات میں بھی نہیں ملتیں۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن اپنے اختصار کے باوجود انجیل کے مقابلے میں زیادہ جامع ہے۔اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کو قرآن ایک انسان، خدا کا بندہ، اللہ کا نبی قرار دیتا ہے جبکہ عیسائی انہیں ابن اللہ کہتے ہیں۔قرآن حضرت مریمؑ کو صدیقہ قرار دیتا ہے ان پر اتہام لگانے والے یہود کو قرآن کاذب کہتا ہے۔حضرت عیسیٰؑ کا احترام کرتا ہے اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن پہلی کتابوں سے ماخوذ ہے۔رحمۃ العالمین میں اسی طرح کا تقابل معروف انبیائے کرام کے حوالے سے کیا گیا ہے۔''(۱۵)

قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ للعالمین کی تیسری جلد میں لکھتے ہیں کہ تھامس کارلائل اپنی کتاب ہیروز آف ہیروز میں انبیائے کرام میں سے صرف نبی کریم ﷺ ہی کے نام گرامی کا انتخاب کرتا ہے۔حالانکہ یہ ایک عیسائی شخص ہے۔اس کے سامنے دیگر انبیائے کرام خصوصاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰؑ کے معجزات و کمالات بھی موجود تھے اور عیسائی ہونے کے ناطے اس میں عیسائی عصبیت بھی موجود ہوگی لیکن اس نے اس سب کچھ کے باوجود نبی کریم ﷺ کی فوقیت ہی کا ذکر کیا ہے۔

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ کی حضور ﷺ کی خصوصیت کے تحت قاضی سلیمان لکھتے ہیں کہ انجیل متی میں ایسے اشارات موجود ہیں جو حضورؐ کی رفعتِ شان سے تعلق رکھتے ہیں۔اس انجیل میں حضور ﷺ کے مبارک نام، مقام ولادت، ہجرت، حضور ﷺ پر ایمان لانے والے قبائل کے نام، حضور ﷺ سے برسرِ پیکار آنے والی قوموں اور ان کے انجام کے بارے میں واضح اشارات موجود ہیں۔(۱۶)

کتاب کی تیسری جلد میں حضور ﷺ کی امتیازی صفات کا ذکر کرتے ہوئے:

﴿وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُونُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ (۱۷)

نبی کریم ﷺ تمھیں ان باتوں کی تعلیم دیتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے، کے تحت حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ ''میری بہت سی اور باتیں ہیں کہ تمھیں کہوں۔ لیکن اب تم انہیں برداشت نہیں کر سکتے۔ جب روحِ حق آئے تو وہ تمھیں ساری سچائی کی راہ بتا دے گی''۔ (۱۸) گویا مسیح علیہ السلام کی تعلیم کا بہت بڑا حصہ انسانوں کو نہ مل سکا اور ان باقی رہ جانے والی باتوں کا علم ایک ''روح حق'' دے گی۔ لکھتے ہیں کہ وہ یہود جو غرور میں مست تھے ان کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ

﴿وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ الَّا قَلِيْلاً﴾ (۱۹)

یعنی تمھیں علم کا بہت تھوڑا حصہ ملا ہے گویا علم کی تکمیل ابھی ہونی ہے۔ قرآن مجید نے یہ اعلان:

﴿ويُعَلِّمُكُم مَالَم تَكُو نُوا تَعلَمُونَ﴾ (۲۰)

اللہ نے تمھیں وہ علم دیا سے تم نہیں جانتے تھے، میں کیا ہے۔

قاضی سلیمان سیدنا عیسیٰؑ علیہ السلام کے شاگردوں اور حضور ﷺ کے شاگردوں کا بھی موازنہ کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے بارہ شاگردوں میں کتنے شاگرد ان کی تعلیم کے مبلغ بنے تھے۔ اس سلسلے میں دو تین سے زائد نام نہیں لئے جا سکتے۔ اس کے بعد قاضی سلیمان رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے مبلغانہ کردار کا ذکر کرتے ہیں کہ آپ کے شاگردوں میں سے ہر کوئی بلکہ صحابیات بھی آپ کے دین کی مبلغہ بنیں۔ اس حوالے سے قاضی سلیمان کے تقابل کا خلاصہ یہی ہے کہ علم کی تکمیل حضور ﷺ کے ساتھ ہی ہوئی اور آپ کے صحابہؓ نے آپؐ کی زندگی اور آپؐ کی وفات کے فوراً بعد دین کا پیغام اور علم ہر سو پھیلایا، اور امتیوں نے رہتی دنیا تک زمین کے چپہ چپہ پر علمی انقلاب برپا کیا۔ (۲۱)

قاضی سلیمان منصور پوری نبی کریم ﷺ کے ساتھ قریش کی کشمکش کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کے پاس مختلف وفود بھیجے کہ آپؐ ان کے معبودوں اور ان کے آباؤ اجداد کو برا بھلا نہ کہیں لیکن آپؐ عزم و استقلال کا پہاڑ بنے رہے۔ اس پر انہوں نے آپ کو لالچ بھی دئے۔ پھر عجیب وغریب قسم کے مطالبے کئے کہ آپ آسمان پر ہمارے سامنے جائیں اور ہمارے سامنے کتاب لے کر آئیں۔ ساتھ فرشتے بھی ہوں اور وہ آ کر ہمیں ایمان لانے کو کہیں۔ انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ مکہ کے قریب و جوار کے پہاڑ سونے کے بنا دئے جائیں تا کہ ہماری غربت دُور ہو جائے یا ہمارے لئے فرشتے اترنے چاہئیں ہم تو اپنے جیسے انسان کی ہرگز پیروی نہیں کریں گے انہوں نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ اگر اور کچھ نہیں کر سکتے تو پھر ہمارے اوپر عذاب ہی نازل کروا دو۔ قرآن مجید نے ان کے مطالبوں کا ذکر مختلف مقامات پر کیا ہے۔ (۲۲)

نبی کریم ﷺ کے ساتھ کفار کے اس طرزِ عمل کا تقابل کرتے ہوئے قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے تمام برگزیدہ رسول اپنی صداقت کے ثبوت میں اپنی تعلیم پیش کیا کرتے ہیں۔ معجزات اور خارق عادت تو اس

وقت پیش کئے جاتے ہیں جب دلائل کو ضد کی بنیاد پر تسلیم نہ کیا جائے اور لوگ اس انتہاء تک پہنچ جائیں کہ وہ حسی معجزات طلب کرنے لگیں، ان ضدی لوگوں پر فرار کی راہیں بند کرنے کے لئے معجزات بھی دکھائے جاتے ہیں، نبیوں کی دعوت کی صداقت معجزات پر موقوف نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر وہ ان کے مطالبہ پر یہ معجزات پیش کر دیں تو اس طرح ایمان بالغیب کی خوبی باقی نہیں رہتی۔(۲۳)

قاضی سلیمان منصور پوری نے تقابل کا یہ انداز بھی اختیار کیا ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام کو پیش آنے والے واقعات میں مماثلت کا ذکر کرتے ہیں۔اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ یہ واضح کیا جائے کہ انبیاء سابقین اور حضور اکرم ﷺ ایک ہی سلسلہ میں منسلک ہیں، اس لئے انہیں ایک ہی طرح کے ردِّ عمل کا سامنا کرنا پڑا۔ نبی کریم ﷺ کی اہلِ یثرب سے بیعتِ عقبہ ثانی میں گفتگو کے حوالے سے قاضی سلیمان تقابل کرتے ہیں کہ اہلِ یثرب نے پوچھا تھا کہ اگر ہم تبلیغ دین میں آپ کا ساتھ دیں گے تو اس کے عوض میں ہمیں کیا ملے گا؟ اہل یثرب کے اس سوال کی مماثلت متی ۱۹۔۲۷ میں پطرس کے مسیح سے سوال میں بھی موجود ہے۔(۲۴)

قاضی سلیمان حضور ﷺ کی دیگر انبیائے کرام سے مشابہت کا جگہ جگہ تذکرہ کرتے ہیں۔ ہجرت کی رات حضور ﷺ کا کفار کے نرغہ سے باوقار طریقے سے بچ نکلنے کے واقعہ کی مماثلت حضرت داوٗد علیہ السلام کے ظالموں سے بچ نکلنے سے ہے کہ وہ بھی اسی طرح بچ نکلے تھے۔(۲۵)

۲۔خطبات مدراس از سید سلیمان ندویؒ:

سیرت طیبہ کے تقابلی مطالعہ کے حوالہ سے ایک مکمل کتاب سید سلیمان ندوی کے خطبات پر مبنی خطباتِ مدراس ہے۔خطبات مدراس میں سید سلیمان ندوی کے آٹھ خطبات کتابی شکل میں پیش کیے گئے، ان خطبات کے عناوین یہ ہیں:

۱۔ انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام کی سیرتوں سے ہوسکتی ہے۔
۲۔ عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل صرف محمد رسول اللہ کی سیرت ہے۔
۳۔ سیرت محمدیؐ کا تاریخی پہلو
۴۔ سیرت محمدیؐ کا تکمیلی پہلو
۵۔ سیرت محمدیؐ کی جامعیت
۶۔ سیرت محمدیؐ کی عملیت یا عملی پہلو
۷۔ پیغمبر اسلام کا پیغام
۸۔ پیغام محمدیؐ (۲۶)

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ اگر دنیا میں کہیں خیر کی خبر سنائی دیتی ہے تو وہ محض انبیائے کرام کی تعلیمات کا نتیجہ ہے ان ہستیوں نے خطہ ہائے زمین پر محض حکومت نہیں کی بلکہ انہوں نے انسانی دلوں پر حکومت کی ہے۔(۲۶a) سید سلیمان ندوی نے سیرت محمدیہ کو تاریخیت، جامعیت، عملیت اور کاملیت کے عناوین کے تحت پیش کیا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی

حیات طیبہ میں تاریخیت کے اعتبار سے لکھتے ہیں کہ آپ ہی دنیا کی وہ ہستی ہیں جن کے سوانح کا ایک ایک پہلو روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ورنہ دنیا کے کسی راہنما کی مکمل زندگی کی تفصیل موجود نہیں ہے۔ آپ کی سوانح کا ایک ایک دن مستند طور پر محفوظ ہے۔ سید سلیمان ندوی مستشرق سپرنگر کا قول نقل کرتے ہیں کہ آپ کی زندگی کو مستند طریقے سے محفوظ کرنے کیلئے مسلمانوں نے ایسے پانچ لاکھ انسانوں کے حالات محفوظ کر لئے جن کی وساطت سے حضور ﷺ کے فرامین و اعمال کی تفصیلات ہم تک پہنچی ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا ندوی نے مسلمانوں کی طرف سے حفاظتِ حدیث کیلئے کی گئی کاوشوں اور اس کے نتیجے پیدا ہونے والے درجنوں علوم کا ذکر کیا ہے جو محض فرامینِ نبوی کو محفوظ کرنے کیلئے معرضِ وجود میں آئے۔ (۲۷)

نبی کریم ﷺ اور دیگر ہادیان مذاہب کے تقابل کے حوالے سے سید سلمان ندوی سیرت النبی ﷺ میں لکھتے ہیں کہ اخلاقیات پر مختلف مصنفین نے کتابیں بھی لکھیں۔ تقریریں اور خطبات اور مواعظ بھی موجود ہیں لیکن جس اندازِ اصلاح نے سب سے زیادہ اثر دکھایا وہ اپنا عملی نمونہ پیش کر کے انسانوں کی اصلاح کرنے کا طریقہ ہے۔ دنیا میں آج اخلاق کا جو سرمایہ موجود ہے وہ انبیائے کرام ہی کا اسوہ ہے۔ دیگر انبیائے کرام کی صلاحیتوں کا اظہار ان کے زمانے کے لوگوں کے مزاج اور حالات کی مناسبت سے کسی ایک پہلو میں ہوا۔ مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام کے اسوہ میں حلم وتحمل، صلح وعفو، قناعت اور تواضع کا اظہار نمایاں طور پر ہوا۔ حکومت کرنے کے اصول انہوں نے بیان نہیں کیے، کیونکہ حکومت کرنے کا انہیں موقع نہیں ملا۔ حضرت موسیٰ اور حضرت نوح کے ہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اسوہ میں رزم و بزم کے حوالے سے اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ انفرادی زندگی، عائلی، اجتماعی، عسکری، اقتصادی زندگی اور بطور ایک حکمران، ایک سپہ سالار اور ایک قانون دان کے طور پر اسوہ موجود ہے۔ (۲۸)

انسانی زندگی کے بہت سے گوشے ہیں۔ بادشاہ، سپہ سالار، مجاہد، کاروباری لوگ، تاجر، جسمانی محنت کرنے والے، علماء ومفکرین سبھی شعبہ ہائے زندگی کے امتزاج وملاپ سے نظام زندگی چلتا ہے۔ ان تمام گوشوں کو اپنی اپنی زندگی کے لیے عملی نمونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ نبی کریمؐ کی زندگی ان تمام گوشوں کے لئے راہنمائی مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ قرآن نے اس سلسلے میں کہا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۲۹)

البتہ تحقیق رسولؐ اللہ کی حیات طیبہ تمہارے لئے زندگی گزارنے کا بہتر نمونہ ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ ہی کی زندگی میں جامعیت پائی جاتی ہے۔ اس طرح ہر انسان کو ہر روز بلکہ ہر لمحہ مختلف نوعیتوں کی صورت حال سے واسطہ پڑتا ہے۔ کبھی خوشی کبھی غمی، کبھی خوشحالی کبھی ناداری کبھی کسی پر احسان کرنا ہوتا ہے، کبھی کسی کے احسان کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپؐ کی نبوت دائمی اور عمومی تھی اس لئے بضرورت آپؐ کے تمام کمالاتِ نبوت آپ میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے۔ آپ نے

دونوں طرح کی متضاد اور مختلف صورتوں میں نمونے پیش فرما دئے۔ کسی بھی زمانے میں جس طرح کی صورتِ حال ہو اس کے لئے آپؐ نے نمونہ پیش فرما دیا۔ مثلاً آپؐ نے دین کے معاملے میں شدت کا پہلو بھی اختیار فرمایا اور چوری کی حد کے اجراء کے سلسلے میں سفارش کی گئی تو آپ جلال میں آگئے اور فرمایا کہ تم سے پہلی قومیں جن اسباب کی بنا پر ہلاک ہوئیں ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ اگر ان میں سے کوئی بااثر شخص کسی جرم میں پکڑا جاتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا اور اگر کوئی کمزور پکڑا جاتا تو اسے سزا میں جکڑ لیا جاتا لیکن حالات جب عفو و درگزر کرنے کا تقاضا کر رہے تھے تو لوگوں کو معاف بھی کیا کیونکہ اس وقت دین کی کوئی حد ٹوٹ نہیں رہی تھی۔(۳۰)

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں جامعیت کا پہلو موجود ہے انسان کو زندگی میں مختلف کیفیات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی دولت مند، کبھی غربت، کبھی حاکم کبھی محکوم، فاتح مفتوح، بالا دست زیر دست۔ سید سلیمان ندوی نے خطبات مدراس میں زندگی کے مختلف مراحل اور متضاد کیفیات کیلئے حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو بطور نمونہ ثابت کرتے ہوئے ایک غریب و محکوم کے طور پر، بدر و حنین میں فاتح کے طور، پر مکہ میں مظلوم اور شعبِ ابی طالب میں قیدی کے طور پر، ایک کامیاب جرنیل کے طور پر غرض زندگی کی تمام متضاد کیفیات کیلئے آپ کا نمونہ موجود ہے۔ سید سلیمان ندوی نے ایک ہندو کا حضور ﷺ کے بارے میں تبصرہ نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کی زندگی مبارک سے متضاد صورت ہائے احوال کے نمونے موجود ہیں۔ مثلاً بادشاہ ایسا کہ مملکت کی سربراہی کے طور پر سیاہ و سفید کے مالک لیکن ہر چیز کو اللہ کی امانت سمجھا۔ دولت مند ایسے کہ ہر وقت لوگوں میں دولتیں تقسیم کر رہے ہوتے لیکن فقر ایسا کہ گھر میں کئی کئی روز تک چولھا نہیں جلتا۔ ایسے کامیاب سپہ سالار کہ چھوٹی سی فوج کو بھی بڑے دشمن سے لڑا دیں لیکن امن پسند ایسے کہ کئی کئی خون خرابوں سے لوگوں کو بچا لیا (حجر اسود کی تنصیب کا مسئلہ)۔ شجاعت ایک طرف اور دوسری طرف نرم دلی۔ لوگوں سے اس قدر تعلق رکھنے والے کہ مومنوں کی ذرا سی تکلیف بھی انہیں مضطرب کر دے (سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 128 میں آپؐ کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ آپؐ پر لوگوں کی کوئی تکلیف بڑی گراں گزرتی ہے اور آپؐ لوگوں کی منفعت کے بڑے خواہش مند ہیں) اور دنیا سے بے تعلق ایسے کہ اللہ کے سوا کسی کی ناراضگی کی پرواہ نہیں۔(۳۱)

ایک دفعہ ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ آپ کے بھتیجے تو بہت بڑے بادشاہ ہیں۔ حضرت عباس نے جواب دیا کہ بادشاہی نہیں بلکہ یہ نبوت ہے گویا آپ کا احترام و وقار اور عظمت، آپؐ کے صحابہ کی ساتھ محبت اور اطاعت سے کسی عام آدمی کو یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ شاید بادشاہ ہیں لیکن درحقیقت یہ وقار و عظمت احترام نبوت کی وجہ سے تھا۔ حضرت عدی بن حاتمؓ حضور ﷺ کے دربار میں آئے تو عقیدت مندوں اور جہاد کے ساز و سامان کو دیکھ کر انہیں فیصلہ کرنے میں دقت ہوئی کہ آپ بادشاہ ہیں یا نبی؟ اسی وقت حضور ﷺ کے پاس ایک لونڈی آئی اور اپنا کوئی مسئلہ آپ کو سنانے کے لئے ایک طرف

لے گئی۔حضور ﷺ نے فرمایا تو جس جگہ چاہے میں تیرا مسئلہ سننے کیلئے تیار ہوں۔اس کیفیت کو دیکھ کر عدی بن حاتم کو بات سمجھ آ گئی کہ آپ بادشاہ نہیں ہیں۔

سید سلیمان ندوی نے سیرت محمدی کے تقابلی مطالعہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیرت محمدیؐ نے تصور نبوت کی بھی وضاحت کی۔اس سے قبل لوگوں نے انبیاء کے بارے میں افراط وتفریط کی راہ اختیار کر رکھی تھی۔آپ نے وضاحت کی کائنات کی کوئی چیز بالذات انبیاء کے اختیار میں نہیں۔انہیں بالذات کسی مافوق طاقت بشری کام پر قدرت نہیں۔دوسری طرف یہ بتایا کہ انبیاء اگرچہ بشر ہیں لیکن اپنے کمالات میں وہ تمام انسانوں سے مافوق ہیں۔وہ معصوم ہوتے ہیں۔ان کے ہاتھوں سے اللہ اپنے اذن اور اشارہ سے اپنی قدرت کے عجائبات دکھاتا ہے۔وہ اللہ کا پیغام انسانوں تک زبان سے پہنچاتے ہیں۔اس پر عمل کر کے عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔اس پیغام کی صداقت کی دلیل اپنے قول وعمل سے پیش کرتے ہیں۔اس طرح آپ کی سیرت کی امتیازی شان ہے کہ آپ نے عقیدۂ رسالت میں پیدا ہو جانے والی افراط وتفریط کو ختم کر کے اعتدال وتوازن کی راہ بتلائی۔ورنہ انبیاء کے بارے میں ایسے ایسے تصورات لوگوں نے قائم کر رکھے تھے کہ وہ تصورات کسی عام شریف انسان کے ساتھ بھی منسوب نہیں کئے جا سکتے۔اس طرح پیغام محمدی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی مشیت ورضاء انسانوں تک پہنچانے کا کامل ترین نمونہ ہے۔(۳۲)

اسی طرح آپؐ نے اخلاقیات میں ایسا ضابطہ دیا۔جو اس کے باوجود کہ تمام انبیائے کرام کی تعلیمات اخلاقیات پر مبنی تھیں،لیکن آپؐ کی دی ہوئی اخلاقی تعلیمات سب سے زیادہ جامع اور کامل ہیں۔

حضورؐ نے تین حیثیتوں سے اخلاق کی تکمیل کی:

۱۔ تمام اخلاقی تعلیمات کا احاطہ کیا۔

۲۔ ہر برائی اور بھلائی کی تمام جزئیات کا احاطہ کیا۔خیر اور شر،نیکی اور بدی کے معمولی اور چھوٹے چھوٹے پہلو بھی بیان کر دیئے ہیں۔

۳۔ سختی اور نرمی،احساس برتری اور عاجزی،عفو ودرگزر اور بدلہ لینے کے اختیار اور دو متضاد رویوں کی حدوں کا تعین بھی کیا اور ہر ایک رویے کی جزئیات بیان کیں۔

مطالعہ سیرت میں تقابلی انداز اختیار کرنے والے علماء نے اس بات کو بھی نمایاں کیا ہے کہ انبیاء سابقین کے زمانوں میں اس عہد کے لوگوں کے مزاج کی مناسبت سے احکام دیے گئے۔کچھ لوگ سرکش،احسان فراموش اور نرم احکام سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے تھے،تو ان کے لئے سخت احکام دیے گئے۔اگر نرم مزاج تھے تو ان سے نرمی کا سلوک کیا گیا۔اسی طرح انبیاء سابقین نے کئی ایک احکام امت کو نہیں دیے تھے،لوگوں نے خود ہی احکام گھڑ لیے اور انہیں انبیاء کی

طرف منسوب کر دیا۔(۳۳)

سید سلیمان ندوی نے اخلاقِ معلمین میں رسول اللہ ﷺ کے مقام و مرتبہ کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اخلاقی معلمین میں ایک وہ ہستیاں ہیں جن کی فکری بنیادیں وحی الٰہی پر ہیں۔ یہ حضرات وہی کچھ کہتے اور کرتے ہیں جس کا حکم اللہ کی طرف ہوتا ہے۔ دوسرے اخلاقی راہنما وہ ہیں جن کی تعلیمات کی بنیاد عقل و حکمت، تجربہ، تجزیہ اور وقتی حالات و مصلحتیں ہوتی ہیں۔ ابنیائے کرام جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل کر کے دکھاتے ہیں۔ ان ہستیوں کے بالمقابل وہ اخلاقی راہنما ہیں جو محض عقل کی بنیاد پر بات کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں ہوسکتا ہے وہ خود بھی اس پر عمل نہ کرتے ہوں۔ ان کے اخلاقی فلسفوں پر دنیا سے وہ خوب داد وصول کرتے ہیں لیکن ان کا فکر و فلسفہ ایک دن کیلئے بھی نافذ نہیں ہوا ہوتا۔ ان لوگوں کی باتیں اگرچہ بڑی مسحور کن اور متاثر کن ہوتی ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان باتوں کا حقیقت کے ساتھ بھی کوئی تعلق ہو۔ ان لوگوں کی باتوں کا تعلق زبان یا دماغ سے ہوتا ہے۔ دل اور ہاتھ سے ان کا تعلق نہیں ہوتا۔ اس لئے ان لوگوں کی باتیں کسی کے دل میں نہیں اترتیں یا قابل عمل نہیں ہوتیں۔ سقراط، ارسطو، افلاطون کی اخلاقی باتیں کتنے وقت کے لئے لوگوں کے زیرِ عمل رہیں، اس سلسلے میں کوئی شخص کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ابنیائے کرام کی تعلیمات پر عمل کرنے والے کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں لیکن ارسطو، افلاطون، اور اس طرح کے لاتعداد مفکرین کے پیروکار موجود تو ہوں گے لیکن ان کا فلسفہ نہ کہیں رائج ہوا نہ اس کا کوئی عملی نمونہ ہمیں کسی ماضی یا حال میں دکھائی دیتا ہے۔ جماعت کی شکل میں کہیں بھی نہیں جو باقاعدہ طور پر اپنے آپ کو ان مفکرین کے پیرو کہلاتے ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام جن کی تعلیمات میں عفو و درگزر اور رحم و کرم کی تعلیمات ہیں ان کے ہاں اس عفو و درگزر کے عملی مظاہرہ کی مثالیں دکھائی نہیں دیتیں۔ کتنی مسیحی مملکتیں حضرت عیسیٰؑ کے بعد معرضِ وجود میں آئیں لیکن ان میں سے کسی نے اپنی مملکت کا قانون صرف اپنے پیغمبر کی سیرت کی پیروی کو قرار نہیں دیا۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے عہد میں آپ ﷺ کی دی ہوئی تعلیمات نافذ ہوئیں آج تک ان پر عمل ہوا۔ ان تعلیمات پر لاتعداد کتب لکھی گئیں۔(۳۴)

ابنیائے کرام میں بھی تمام ہستیاں یکساں نہیں ہیں۔ ان کی عملی حیثیت کے کامل ہونے کے ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ان کے درجہ کمال کی ایک ایک ادا عمل کی صورت میں نمایاں ہو۔ ہر ذوق اور ہر شعبہ زندگی کے لوگ اپنی ضرورت کے مطابق ان کی مثالوں سے استفادہ کرسکیں۔ سید سلیمان ندوی اس اعتبار سے تین اصول پیش کرتے ہیں کہ ایک کامل و اکمل اور آخری معلم کے لئے ان شرائط کے مطابق پورا اترنا ضروری ہے۔

۱۔ اس کی زندگی کا کوئی پہلو مخفی نہ ہو اور زندگی کے تمام پہلو واضح طور پر پوری صحت و وثوق کے ساتھ لوگوں کے سامنے ہوں۔

۲۔ اس نے جس بات کا ذکر اپنی زبان سے کیا ہو یا کسی چیز کا حکم دیا ہو اس کی عملی مثال بھی موجود ہو۔عملیت کا پہلو اس کی سیرت میں موجود ہو۔محض زبانی باتیں نہ ہوں۔

۳۔ زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لئے ہر ایک کے شعبہ زندگی کی مناسبت سے عملی نمونہ موجود ہو۔گویا جامعیت کا پہلو موجود ہو۔

تمام سابق انبیاء کرام میں سے کوئی ہستی بھی ایسی نہیں جس کے تمام اخلاقی کمالات ہمارے علم میں ہوں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ۳۳ برسوں میں تین برسوں کے حالات ہمیں معلوم ہیں اور ان تین برسوں کی تفصیل میں بھی ان کے معجزات کا ذکر زیادہ ملتا ہے۔ان کی ذاتی زندگی اور اخلاقیات کا ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے۔ان کے علاوہ بھی دیگر انبیائے کرام کے حالاتِ زندگی بہت محدود حد تک ہی معلوم ہیں۔لیکن نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور آپ کی تعلیمات کے بارے میں تو باسورتھ سمتھ کہتا ہے:

''سیرت محمدیہ کے بارے میں تو پورے دن کی روشنی موجود ہے جس میں حضرت محمد ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو روز روشن کی طرح عیاں ہے۔آپؐ نے تو حکم دے رکھا تھا کہ میرا ہر حکم دوسروں تک پہنچاؤ۔''

اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے جو نہایت مؤثر اور دلنشین نصیحتیں لوگوں کے سامنے بیان کیں۔مثلاً جو کچھ تمہارے پاس ہے جب تک سارے کا سارا اللہ کی راہ میں خرچ نہ کر دو اس وقت تک آسمان کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکو گے۔''شریروں کا مقابلہ نہ کرو''۔دشمنوں کو بھی پیار کرو''اپنے پڑوسی سے جان و مال سے محبت کرو۔اگر تمہارے داہنے گال پر کوئی تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دو۔اگر تم سے کوئی کرتہ مانگے تو اپنا عمامہ بھی اس کے سامنے پیش کر دو۔بے شک یہ تمام صفات حضرت عیسیٰؑ میں موجود تھیں لیکن ان کی عملی مثالیں خود مسیحیت کی کتابوں میں محفوظ نہیں ہیں۔(۳۵)

۳۔سیرۃ النبی از سید سلیمان ندویؒ:

سید سلیمان ندوی نے خطبات مدراس کے علاوہ سیرۃ النبی ﷺ کی چھٹی جلد میں بھی نبی کریم ﷺ کا دیگر انبیائے کرام کے ساتھ تقابل کیا ہے کہ آپؐ نے لوگوں میں اپنی تعلیمات کے مطابق تبدیلی کر کے دکھا بھی دی۔آپ نے اپنی صحبت میں آنے والوں میں بیک وقت ایک ہمہ گیر تبدیلی پیدا کی۔آپؐ کی مجلس میں آنے والا ایک شخص بیک وقت بہترین متقی،سپہ سالار،عالم اور دیگر کئی کئی صلاحیتوں کا مالک بن گیا۔یہ خوبی ہمیں دنیا کے کسی بھی معلم اخلاق کے ہاں دکھائی نہیں دیتی۔مسجد نبوی تربیت گاہ تھی۔آپؐ نے صحابہ کی ایسی جماعت تیار کی جن میں خالدؓ،ابوعبیدۃ بن الجراحؓ،سعد بن ابی وقاصؓ اور عمرو بن العاصؓ جیسے سپہ سالار بھی تھے۔جو بعد میں حکمران،عدالتوں کے قاضی اور مقنن بھی ثابت ہوئے۔ایسے عابد اور زاہد لوگ بھی تھے ان کی راتیں عبادت میں اور دن روزے سے گزرتے اور جنگ کا وقت آتا تو بہترین شہ سوار بھی ثابت

ہوتے۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں اگر ہم دیگر معلمین کی تعلیمات کی فہرست پر ایک مجموعی نگاہ ڈالیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں انسانی زندگی کے تمام اخلاقی احوال اور کیفیات کا احاطہ کسی نے نہیں کیا ہے بلکہ اپنے زمانہ اور اپنی قوم کے حالات کو سامنے رکھ کر اپنی اخلاقی اصلاحات کی فہرست بنالی گئی ہے اور اس دور کے تقاضوں اور ضرورت کے مطابق ان میں سے بھی صرف چند اصولوں کو سب سے زیادہ اہمیت دے کر ان کو ہر جگہ اپنی تعلیم میں نمایاں کیا ہے۔ احکام عشرہ میں اس سلسلے میں احکام موموہ ہیں۔ یہ وہی احکام ہیں جو تقریباً سبھی شریعتوں میں رائج تھے۔ یہ احکام اخلاقی احکام کی ابجد ہیں۔ اس کے بعد خروج باب ۲۲ اور ۲۳ میں قانونی احکام کے ساتھ ساتھ دو تین باتیں مزید آ گئی ہیں۔ پھر احبار باب ۱۹ میں انہی احکام کی تفصیل ہے۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں انجیل میں اخلاقیات کے تمام قواعد وکلیات کی تفصیل اور احصاء نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے بنیادی طور پر بنی اسرائیل کی رسم پرستی اور شریعت کی محض ظاہری پابندی کے خلاف معنی اور روح کی طرف دعوت تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کی اخلاقی تجدید واصلاح حضرت موسیٰؑ کی تورات، زبور، حضرت سلیمانؑ کی اُمثال، دوسرے اسرائیلی صحائف جو اخلاق کی اعلیٰ تعلیمات پر مشتمل تھے لیکن منتشر حالت میں تھے اور جنہیں بنی اسرائیل نے بھلا دیا تھا انہیں اپنے مشہور وعظ میں یکجا پیش کیا جس میں فقر، حلم وبردباری، غمگینی، راست بازی، رحمدلی، پاک دلی، صلح جوئی، عفو ودرگزر، توکل، عیب نہ نکالنا اور اس طرح کی تعلیمات کہ جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں وہی کچھ تم دوسروں کے ساتھ کرو۔ یہ تمام تعلیمات ایسی ہیں جن میں نرمی اور احسان کا پہلو نمایاں ہے۔ یہ اخلاقی تعلیمات بیشتر انہی لفظوں کے ساتھ جو انجیل کے مختلف صحیفوں اور لفظی شریعت کے اصل روح ومعنٰی کو جلوہ گر کرنا تھا۔(۳۶)

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں نبی کریم ﷺ کی اخلاقی تعلیمات ایک قوم ایک زمانہ تک محدود نہیں۔ ہر قوم اور ہر علاقے کے لوگوں میں پائی جانے والی خرابیوں اور بھلائیوں کا تفصیل سے ذکر کرنے کے ساتھ برائیوں سے بچنے اور بھلائیوں کے اختیار کرنے حوالے سے جزئیات بیان کی گئیں ہیں۔

سید سلیمان ندوی اسلامی ضابطہ اخلاق میں ان برائیوں اور نواہی کا ذکر کرتے ہیں جو نظامِ معاشرت واخلاق کے بگاڑ کا سبب بنتی ہیں۔ ان میں تجسس وغیبت بہت سی معاشرتی خرابیوں کی بنیاد ہیں۔ اس لئے اس سے منع کیا گیا۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ اسلامی نظام اخلاق میں اعتدال، توازن اور توسط پایا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی شریعت میں عدل یا برابر کا بدلہ لینے یا دوسرے لفظوں میں بدلہ میں سختی کا پہلو موجود ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰؑ کی شریعت میں نرمی اور معافی کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اسلام نے عدل (برابر کا بدلہ) اور احسان (معافی اور نرمی) دونوں کا امتزاج کر دیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ (۳۷) اصولوں کے ساتھ نظام اخلاق کی بنیادوں کا ذکر کیا گیا ہے۔(۳۸)

سید سلیمان ندوی نے مطالعہ سیرت میں تقابلی انداز اختیار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پروفیسر گبن نے اس بات کا

ذکر کیا ہے کہ حضورﷺ کو اس بات میں امتیاز حاصل ہے کہ دیگر پیغمبروں کے ساتھ یہ بات رہی ہے کہ پہلے پہل پیغمبروں پر وہ لوگ ایمان لائے جو ان سے واقف نہ تھے۔لیکن آپؐ پر ایمان لانے والوں میں اولین ہستیاں وہ ہیں جو ان کے قریب ترین تھیں۔قریبی لوگ کسی کی کمزوریوں اور خامیوں کو زیادہ جانتے ہیں اس لئے وہ اس سے متاثر نہیں ہو پاتے۔لیکن حضورﷺ پر وہ لوگ پہلے پہل ایمان لائے جو آپ کو قریب سے جانتے تھے۔وہ لکھتے ہیں گاڈی فری ہیگنس اپالوجی فار محمد میں لکھتا ہے کہ عیسائی یہ بات یادرکھیں تو اچھا ہو کہ محمدﷺ کے پیغام نے آپ کے پیروکاروں میں وہ نشہ پیدا کر دیا جسے حضرت عیسیٰ کے ابتدائی پیروکاروں میں تلاش کرنا بے سود ہے۔جب عیسائیوں کے بقول جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی کی طرف لے جایا گیا تو ان کے پیروکار بھاگ گئے۔ان کا دینی نشہ جاتا رہا وہ اپنے راہنما کو موت کے پنجے میں گرفتار چھوڑ کر چلے گئے۔اس کے برعکس محمدﷺ کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ کیلئے اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر دشمنوں پر آپ کو غالب کر دیا۔احد میں جب کفارّ حضور اکرمﷺ پر حملہ آور ہوئے تو صحابہ کی ایک جماعت حضورﷺ کیلئے ڈھال بن گئی۔حضرت طلحہؓ نے اپنے بازو پر تلوار کے وار برداشت کئے۔ایسا ہی نقشہ حنین میں بھی پیش آیا۔کفّار کے نمائندے نے حضورﷺ کے ساتھ ملاقات کے بعد واپسی پر کفار کو بتلایا کہ کیا محمدﷺ کے جانثار ان کا خون بہنے دیں گے جو ان کے وضو کا پانی زمین پر نہیں گرنے دیتے۔(۳۹)

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ جس شخص کے پاس حضورﷺ کا نمونہ موجود ہے۔درحقیقت اس کے پاس جملہ انبیائے کرام کا اسوہ موجود ہے۔آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری''۔حضرت نوح کی زندگی میں کفر کے خلاف غیظ وغضب، حضرت ابراہیم کی زندگی میں کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا اور تن تنہا کفر کو چیلنج کرنا۔حضرت موسیٰ کی زندگی میں جہاد، حضرت عیسیٰ کے ہاں تواضع، نرمی، عفو ودرگزر، حضرت یوسف میں قید وبند میں بھی خیر کی دعوت، حضرت یعقوب کی زندگی میں اللہ پر توکل اور صبر......کا سبق موجود ہے لیکن رسول اللہﷺ کی سیرت میں یہ سب سیرتیں سمٹ جاتی ہیں یہاں بہت سے پیغمبروں سے مشابہ ہجرت بھی دکھائی دیتی ہے۔شعب ابی طالب کی قید بھی ہے یوسف علیہ السلام کی طرح فتح مکہ کے موقع پر ﴿لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ﴾ (۴۰) کا مظاہر بھی دکھائی دیتا ہے۔حضرت یعقوب اور حضرت ایوب کا صبر بھی ہے قحط کے دنوں میں کفار مکہ کے ساتھ رحم کا سلوک حضرت یوسف کی یاد دلاتا ہے۔(۴۱)

اللہ کے نبی تو فکر وعمل کے اعتبار سے مثالی نمونہ ہوتے ہیں لیکن انجیل میں تحریف کی وجہ سے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ایسے الفاظ لکھے ہیں جو ایک نبی کے شایان شان نہیں ہیں۔پیغمبر تو عزم واستقلال، رضائے الٰہی اور توکل علی اللہ کا نمونہ ہوتے ہیں لیکن انجیل میں لکھا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (بقول عیسائیوں کے) سولی پر لے جایا گیا تو وہ بے تابی سے پکار اٹھے کہ اِیْلِیْ اِیْلِیْ لِمَا سَبَقْتَنِیْ (۴۲) اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔لیکن رسول

اللہ ﷺ حیاتِ طیبہ میں اس طرح کی کوئی مایوسی آپ کو کہیں دکھائی نہیں دے گی (یہ بات الگ حقیقت ہے کہ ہمارے عقیدے کی رُو سے حضرت عیسیٰؑ کو نہ تو سولی پر لٹکایا گیا نہ انہوں نے اس طرح کے الفاظ کہے تھے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ سے منسوب ان الفاظ کا تقابل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کرنا چاہیں تو ہمیں آپؐ کے ان الفاظ پر غور کرنا چاہیے جو آپؐ نے اہل طائف کے ظلم کے بعد فرمائے تھے کہ اے اللہ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو پھر مجھے ان تکالیف کی کوئی پرواہ نہیں۔ عزم و استقلال اور اللہ کی رضاء پر مطمئن ہونا حضور ﷺ کی سیرت کا نمایاں پہلو ہے۔ پوری مکی زندگی اس کی مثال ہے۔(۴۳)

۴۔ النبی الخاتم از سید مناظر حسن گیلانیؒ:

مولانا مناظر احسن گیلانی کی ''النبی الخاتم'' میں بھی تقابل کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ ان کا ایک پہلو یہ ہے کہ نبی کریمؐ کی نبوت میں دائمیت، عالمگیریت اور تاریخیت کے پہلو موجود ہیں۔ ان کی کتاب کا آغاز ہی اس فقرے سے ہوتا ہے'' ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کیلئے آیا، وہی جو آنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، چڑھا اور چڑھتا ہی چلا جا رہا ہے''۔ جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے اور ہمیشہ پہچانا جائے گا جس طرح کل پہچانا گیا تھا کہ اسی کے اور صرف اسی کے دن کے لئے رات نہیں، ایک اسی کا چراغ ہے جس کی روشنی بے داغ ہے۔(۴۴)

مولانا لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کے لاتعداد اوتاروں کے نام ہی لوگوں کو معلوم نہیں۔ جو مذہب اپنے پیش رووں کے ناموں کو محفوظ نہ کر سکا۔ وہ ان اوتاروں کی تعلیمات کو کس طرح محفوظ کر سکتا تھا۔ دنیا کو ویدک دھرم کے حقیقی سر چشموں کا کوئی علم نہیں۔ مہاتما بدھ کے اصلی نوشتوں اور حقیقی بھجنوں کا کہیں نشان نہیں ہے۔ آج زرتشت مذہب کے بانی کے حالاتِ زندگی اور اس کی اصل تعلیمات کو جاننا تو در کنار زرتشت کے وجود ہی کو فرضی اور وہمی ثابت کرنے پر اصرار ہے۔ جس مذہب کے بارے میں اس قدر شکوک وشبہات موجود ہوں کیا اس مذہب کی تعلیمات موجود ہوں گی اور جو کچھ موجود سمجھا جاتا ہے کیا وہ قابل اعتماد بھی ہے یا نہیں؟ گاتھا کیا تھی؟ کہاں تھی؟ کس زبان میں تھی؟ کیا اس مذہب کی اپنی تاریخ سے ان کی صحت پر کوئی دلیل اور شہادت موجود ہے۔ کیا ژنداوستا کی اکیس سورتوں سے بجز ایک سورہ کے جس پر موجودہ آتش کدوں اور ان کے رسوم کی بنیاد ہے اگر غیروں میں نہیں تو کیا اس پر ایمان لانے والوں کے یہاں بھی کوئی سورت پائی جاتی ہے۔ یہود کی کتاب گم ہوگئی۔(۴۵) کتنی مرتبہ یہودیوں کو تاراج کیا گیا۔ توراۃ کو ختم کیا گیا۔ انٹونیس کا حکم بھی سب کو معلوم ہے کہ ''جس کے پاس توراۃ کا ایک ورق بھی ملے وہ مارا جائے''۔(۴۶)

مولانا مناظر احسن لکھتے ہیں جو جانے کے لئے آئے تھے وہ آکر چلے گئے تو اب ان کی تلاش میں لوگ کیوں سرگرداں ہیں؟ جن لوگوں کا نام ہی اہلِ کتاب ہے کیا وہ ان کتابوں کی صحت کی کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں۔ مولانا مناظر

احسن گیلانی لکھتے ہیں کیسی عجیب بات ہے کہ تقریباً دو ہزار سال سے جس توراۃ کے صرف ترجموں اور غلط ملط ترجموں در ترجموں کا دنیا میں رواج ہو جس میں ایسے اسماء وواقعات بکثرت پائے جاتے ہوں جو قطعی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے ہیں، جس میں حضرت موسیٰ کی وفات ان کی تجہیز وتکفین تک کی داستانیں درج ہوں۔(۴۷) اس کے بارے میں کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰؑ پر نازل شدہ توراۃ ہے۔کیا یہ بات منطقی طور پر تسلیم کی جا سکتی ہے کہ جن کتابوں میں پیغمبروں پر شراب نوشی اور حرام کاری کا الزام لگایا ہو، اللہ سے منسوب کلام کو فحش گالیوں سے آلودہ کر دیا گیا ہو، جس میں کتاب کا خدا پچھتاتا ہو، کیا وہ اس رب قدوس کی کتاب ہو سکتی ہے جس کی تقدیس وتحمید کا ترانہ حضرت موسیٰ اور ان کے بعد کے رسولوں نے دنیا کو سنایا تھا؟

مولانا مناظر احسن گیلانی پہلی کتابوں میں نبی کریمؐ کی آمد کی پیشین گوئیوں کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔مولانا مناظر احسن گیلانی نے مہاتما بدھ کی وہ پیشین گوئی بھی بیان کی ہے، جو اس نے اپنے شاگرد نندا کے کان میں اپنی زندگی کے آخری سانسوں کے وقت کی تھی کہ نندا میں پہلا بدھ نہیں ہوں جو زمین پر آیا۔نہ میں آخری بدھ ہوں، اپنے وقت پر دنیا میں ایک اور بدھ آئے گا۔مقدس، منور القلب، عمل میں دانائی سے لبریز، مبارک، عالم کائنات، انسانوں کا عدیم النظیر سردار جو غیر فانی حقائق میں ظاہر کرتا رہا ہوں، وہ بھی وہی ظاہر کرے گا وہ ایک مکمل اور خالص مذہبی نظامِ زندگی کی میری طرح تبلیغ کرے گا۔ نندا نے کہا کہ ہم اسے کس طرح پہچانیں گے؟ آقا نے کہا کہ وہ میتیر یا کے نام سے موسوم ہوگا۔مولانا لکھتے ہیں کہ 16 اکتوبر 1930ء کو الہٰ آباد کے ایک انگریزی اخبار لیڈر میں ایک بدھ لیڈر کا یہ مضمون صفحہ سات کالم نمبر تین میں شائع ہوا تھا۔جس میں اس میتر یا کا ترجمہ لکھا تھا۔''وہ جس کا نام رحمت ہے''۔(۴۸) مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں مشرق ومغرب کے مذہبی پیشواؤں نے نبی کریمؐ کی آنے کی پیشین گوئیاں کی ہیں۔(۴۸a)

حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا:

''خدا سینا سے نکلا، سعیر سے چمکا اور فاران ہی کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ (۴۹) حضرت داؤد نے کہا تھا۔مبارک ہیں وہ تیرے گھر میں بستے ہیں۔وہ سدا تیری حمد کرتے ہیں۔وہ بکہ سے گزرتے ہوئے ایک کنواں بناتے ہیں۔(۵۰) مارگولیتھ نے کہا ہے کہ یہ بکہ مکہ کے سوا کوئی اور جگہ نہیں ہو سکتی۔اس کے بعد مولانا مناظر احسن گیلانی دیگر انبیاء کی بشارتوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔'' (۵۱)

۵۔محسن انسانیت از نعیم صدیقیؒ:

کتاب محسن انسانیت از مولانا نعیم صدیقی اگرچہ تقابل کے منہج پر نہیں لکھی گئی تاہم اس کا مقدمہ تقابلی مطالعہ کا ایک اچھا نمونہ ہے۔نعیم صدیقی لکھتے ہیں کہ انسانی تاریخ میں کئی انقلابات آئے۔زمانے نے کئی کروٹیں لیں لیکن کہیں بھی ہمیں انقلاب اپنے حقیقی مفہوم میں نظر نہیں آتا۔انقلاب اپنے حقیقی مفہوم میں حضور اکرم ﷺ کی پیدا کردہ تبدیلی میں ہی

دکھائی دیتا ہے تقابلی مطالعہ کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ جن حالات میں عظیم ترین تبدیلی کا پیغام لے کر اکیلے اٹھے ایسے مایوس کن حالات میں اگر کوئی دوسرا ہوتا تو شاید زندگی سے بھاگ کھڑا ہوتا۔ دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے برائی سے نفرت کی مگر بدی کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار نہ ہوئے اپنی جان کی سلامتی کیلئے تمدن سے کنارہ کش ہو گئے مگر حضور ﷺ نے انسانیت کی کشتی کو ہچکولے کھاتے چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی فکر نہیں کی بلکہ زندگی کے ہلاکت انگیز گردابوں سے لڑتے ہوئے انسانوں کو نجات کا راستہ بتلایا اور ساحل مراد تک پہنچایا۔ دنیا کی بڑی قوتوں سے مرعوب ہونے یا ان کے ہمنوا بن جانے کی بجائے آپؐ نے ان سے مقابلہ کا راستہ اختیار کیا اور کاروانِ زندگی جو راہزنوں کے درمیان گھرا کھڑا تھا وہ پھر فلاح وارتقاء کی رہوں پر گامزن ہو گیا۔ نعیم صدیقی تقابلی پہلو سے لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا طریق نہ ایک فلسفی کی مانند تھا کہ لوگوں کو محض اونچے اور تصوراتی گہرے خیالات دے دیتے اور واقعات واحوال کو نگاہ میں نہ رکھا۔ نہ ایک واعظ تھے کہ محض دل کو گرمانے اور خوش کرنے والی باتیں کر کے معاشرے میں فساد کرنے والے عوامل سے آنکھیں بند ہوں۔ آپ نے پورے تمدنی شعور کے ساتھ ایک مکمل تبدیلی کو پیش نظر رکھا۔ کس موقع پر کیا حکمتِ عملی اختیار کرنی ہے کس سے کیا امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں اپنی قوت اور رفتار پر آپ کی مکمل نگاہ تھی۔ (۵۲)

جو لوگ آپ کے گرد تھے انہیں زندگی کے حقائق سے فرار کی راہ اختیار کرنے والا نہیں بنایا مولانا نعیم صدیقی حضور ﷺ کے انقلاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس میں محبت وخیر خواہی رحم دلی کار فرما تھی اس میں کہیں بھی تشدد کا پہلو دکھائی نہیں دیتا۔ (۵۳)

اللہ سے محبت کے ساتھ ساتھ انسانیت سے گہری محبت عفو ودرگزر آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ لکھتے ہیں کہ بے شمار اصلاحی وتعمیری تحریکوں نے انسان کو جوں کا توں رکھ کر خارجی نظام کو بدلنے کی کوشش کی۔ ہر وہ تبدیلی ناکام رہی جس نے انسان کو اندر سے نہیں بدلا مولانا نعیم صدیقی نے مقدمہ میں مغربی مفکرین کی فکر کا بھی جائزہ لیا ہے کہ اس سوچ نے منفی اثرات تو مرتب کئے ہیں دنیا کو امن دینے کے سلسلے میں اس فکر نے الٹے ہی اثرات مرتب کئے ہیں اور انسانوں میں اسلام دشمنی کے جذبات ہی کو فروغ دیا۔ اسلام کے بارے میں ان اہل مغرب کے طرزِ عمل کے نتیجے میں مسلمانوں میں ایک اچھا خاصا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو دین کی معذرت خواہانہ تعبیر وتشریح کرنے لگ گیا ہے۔

۶۔ افضل الرسل از سید محمد حسین شاہ علی پوریؒ:

جن کتب کا مکمل طور پر موضوع نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کی فوقیت برتری ہے ان میں سے ایک کتاب افضل الرسل ہے۔ (۵۴)

سید محمد حسین شاہ افضل الرسل میں نبی کریم ﷺ کے مقام ومرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مقام بشریت

مقام ملائکہ سے افضل واعلیٰ ہے عام انبیاء ساری انسانیت بلکہ ملائکہ سے افضل ہیں اور آپ کی ذاتِ گرامی جملہ انبیاء سے افضل واعلیٰ ہے۔ دلیل میں اس کتاب کے مؤلف نے قرآن وحدیث اور ثقہ روایات سے حضور ﷺ کی افضیلت ثابت کرنے کیلئے ۱۱۵عنوانات بنائے ہیں انہوں نے جلیل القدر انبیاء کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے اوصاف وکمالات کا حضورؐ کے محاسن وکمالات سے تقابل کیا ہے۔ انہوں نے تقابل کرتے ہوئے تمام انبیائے کرام کے مقام کو ملحوظ رکھا ہے کسی کی تنقیص نہیں کی۔(۵۵)

اس کتاب میں مؤلف، سیرت نگاری کی فضلیت کو دیگر علوم پر فوقیت دیتے ہیں کہ اس میں اس ذاتِ گرامی کی زندگی زیرِ بحث لائی جاتی ہے جو تمام کائنات پر فوقیت و برتری رکھتی ہے۔ اس کتاب کے مؤلف آپ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کائنات کی اشیاء درجہ بدرجہ ہیں۔ ایک چیز دوسری پر فوقیت رکھتی ہے اشجار ایک دوسرے پر اپنی افادیت کے اعتبار سے فوقیت رکھتے ہیں۔(۵۶) اسی طرح معدنیات اور کائنات کی دیگر اشیاء درجہ بدرجہ ہیں افراد اپنے اوصاف ومحاسن کی بنیاد پر ایک دوسرے پر برتری رکھتے ہیں۔ اسی طرح مخلوقات میں انبیاء سب سے بالاتر ہستیاں ہیں اور ان ہستیوں میں سب پر فائق ہستی آپؐ ہیں۔ اسی طرح اللہ کی معرفت اور حقیقت کو جاننے کی صلاحیت میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ اللہ کی عظمت وجلال کی معرفت کسی میں جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر وہ مقامِ عبدیت میں بھی بلند ہوگا۔ نبی کریم ﷺ اس اعتبار سے دوسروں پر فوقیت رکھتے ہیں کہ معرفتِ عظمت وجلالِ الٰہی میں سب سے فائق ہیں اس لئے آپ عبدِ کامل بھی ہیں۔ باقی انبیائے کرام معرفتِ خداوندی کے جاننے میں اس مقام پر نہیں ہیں جس قدر نبی کریم ﷺ ہیں۔(۵۷)

اس کا ایک مظہر یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو بہت سے ایسے امتیازات عطاء فرمائے جو آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں، ان میں سے ایک واقعہ معراج ہے۔ کتاب افضل الرسل کے مؤلف نبی کریم ﷺ کی افضیلت کے دلائل میں لکھتے ہیں کہ اللہ نے ملائکہ سے انسان کو سجدہ کروایا۔ ملائکہ پر انسان کو علم کے ذریعے فوقیت دی۔ فرشتوں پر انسان کو اس اعتبار سے بھی برتری حاصل ہے کہ انسان میں معصیت کا مادہ ہونے کے باوجود وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے جبکہ ملائکہ میں تو حکم سے روگردانی کا رجحان ہی نہیں۔ انسان روگردانی کے رجحان کی موجودگی کے باوجود اطاعت کرتا ہے اس لئے وہ فرشتوں پر فائق ہے۔ اللہ نے آپ ہی کو ﴿رحمة للعٰلمین﴾ فرمایا، ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ فرمایا۔ حضور ﷺ کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت قرار دیا۔ کتاب کے مولف لکھتے ہیں کہ اللہ نے قرآن نازل کر کے کفار سے کہہ دیا کہ وہ اس جیسی ایک آیت لے آئیں۔(۵۸) لیکن وہ ایک آیت بھی نہ لا سکے اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی ہر آیت اس کی فوقیت و برتری کی دلیل کی ہے اور قرآن کی تمام آیات کا مجموعہ ملحوظ رکھا جائے تو وہ اپنی فوقیت میں چھ ہزار سے زائد دلائل کی بنیاد پر فوقیت رکھتا ہے۔ حضور اکرمؐ کے حسّی معجزات لاتعداد ہیں اور ان میں سب بڑا دائمی معجزہ قرآن ہے۔ جبکہ حضرت موسیٰؑ کی فوقیت نو معجزات

سے ثابت کی گئی.(۵۹) حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کاذکر قرآن کے چند مقامات پر کیا گیا۔وہ معجزات چند ایک ہیں(۶۰)

دینِ اسلام باقی ادیان کے مقابلے میں کامل اور جامع ہے تو اس کے پیش کرنے والے بھی اس طرح فوقیت کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی فوقیت و برتری کی بہت سی بنیادیں کتاب افضل الرسل میں بیان کی گئی ہیں۔آپ کو مخالفین کی طرف سے سب انبیاء سے زیادہ مزاحمت اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔دین کی اشاعت میں سب سے زیادہ مشقت برداشت کرنا پڑی۔اللہ نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی ﴿لَعَمْرُکَ اِنَّھُمْ لَفِیْ سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُوْنَ﴾(۶۱)

''آپ کی عمر کی قسم وہ لوگ اپنی مستی میں بالکل مدہوش ہوئے جارہے تھے۔''

اللہ نے تمام انبیاء سے اس کا عہد لیا کہ اگر ان میں سے کسی کی زندگی میں حضور ﷺ تشریف لے آئیں تو ان پر لازم ہوگا کہ وہ آپ کی نبوت پر ایمان لائیں گے۔ان کی نصرت کریں گے اور ان کی عزت وتوقیر کریں گے۔(۶۲) تمام انبیائے کرام پر ان کے مخالفین کی جانب سے جو اعتراضات ہوئے ان کے جواب انہوں نے خود دئے لیکن حضور ﷺ پر کفار نے جو اعتراضات کئے ان کے جواب قرآن کی آیات کا حصّہ بن گئے۔اللہ نے خود ان مخالفین کو جواب دئے اور ان جوابات کی تلاوت ہم قرآنی آیات کی صورت میں کرتے ہیں۔حضور ﷺ کے احترام کے اصول وضوابط اللہ نے قرآن میں بیان کر کے انہیں تلاوت کا حصّہ بنادیا۔(۶۳)

۷۔سیرت سرورِ عالم از سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ :

مولانا مودودی سیرت سرورِ عالم ﷺ کے پہلے حصہ کے سترھویں باب کی پانچویں فصل میں توارت وانجیل میں رسول اللہ صلعم کی آمد کے بارے میں پیشین گوئیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔(۶۴) اس کے علاوہ جلد اول کے حصہ دوم میں اقوامِ ماضیہ کے حالات عقائد ونظریات اور انبیائے کرام سے مخاصمت وانکار اور حق کے خلاف ان کے طرزِ عمل کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور ان عقائد واعمال کا ذکر کیا ہے جو ان قوموں کے زوال کا سبب ہے۔ان تفصیلات کا بنیادی مقصد اور مرکزی نقطہ یہ ہے کہ قوموں کے عروج وزوال کی داستان سے یہ واضح کیا جائے کہ انکارِ حق وہ اصل سبب ہے جو زوال کا سبب بنتا ہے مزید یہ کہ اہلِ حق کو تسلی اور یقین دلایا جائے کہ ان کا انجام کامیابی کی صورت میں ہوگا اور دشمنانِ اسلام بھی آگاہ ہوجائیں کہ ان کا وہی انجام ہوگا جو ان سے پہلے مجرموں کا ہوا تھا۔ان سابقہ اقوام کی غلط کاریوں کے ان پہلوؤں کو مولانا نے خصوصی طور پر اجاگر کیا ہے جو اس وقت امت محمدیہ میں پیدا ہوچکی ہیں۔ پہلے حصہ کے آخری ابواب میں یہود، نصاریٰ، مشرکین اور عرب کے دیگر مذاہب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ پہلے حصہ کے آخر میں مولانا مودودی نے بھی یہی بات بیان کی ہے کہ پہلے انبیاء کی حقیقی تعلیمات ہمارے پاس محفوظ وموجود نہیں ہیں ان سے راہنمائی حاصل کرنے یا نہ کرنے کا سوال تو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب راہنمائی موجود ہو۔اگر اصل تعلیمات موجود ہی نہیں ہیں تو راہنمائی کس چیز سے حاصل کی جاسکتی ہے۔(۶۵)

مولانا مودودی سیرت سرورِ عالم کے دوسرے حصہ میں لکھتے ہیں کہ دنیا کے مذہبی پیشواؤں کی زندگیوں پر ان کے ماننے والوں نے تخیلات واوھام کے اتنے پردے ڈال دئے ہیں کہ ان کی شخصیات وتعلیمات کی حقیقت کو جاننا محال ہو گیا ہے۔ ان کی زندگیوں کے حالات وتفصیلات کا ایک طرف تو ہمیں علم نہ تھا مزید یہ ہوا کہ جو کچھ معلوم تھا اس میں بھی اس قدر ملاوٹیں کر دی گئیں تو حقیقت اور ملاوٹ میں فرق کرنا محال ہو گیا۔ حتّٰی کہ اس قدر ابہام پیدا کر دیا گیا کہ یا تو وہ خدا تھا یا خدا کا بیٹا یا خدا اس میں حلول کر آیا یا وہ خدائی میں کم از کم شریک ضرور ہے۔ گوتم بدھ نے جن خرابیوں کو دور کیا تھا اس کی وفات سے ایک صدی بعد اس کی تعلیمات میں تبدیلیاں کر دی گئیں۔ اس کے سُوتروں کی جگہ نئے سُوتر بنا لئے۔ اس مذہب میں اس قدر تبدیلیاں کر دی گئیں کہ کہا گیا کہ بدھ کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ حتی کہ گوتم بدھ کو خدا کا مادی ظہور قرار دے دیا گیا۔ (٦٦)

مولانا لکھتے ہیں کہ رام چندر جی ایک انسان تھا اسے بھی لوگوں نے خدا کا اوتار بنا ڈالا۔ وہ لکھتے ہیں کہ کرشن بھی ایک مؤحد ہستی تھے۔ لیکن انہیں وشنو کا مظہر، خالقِ موجودات اور مدبر کائنات بنا ڈالا گیا۔ اس کے برعکس ان ایسی ایسی کمزوریاں منسوب کر دی گئیں کہ خدا تو درکنار نہیں ایک عام پاکیزہ انسان بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (٦٧) گیتا میں کرشن جی کے ایسے اقوال موجود ہیں کہ وہ اپنے آپ کو خالق ومالک کائنات قرار دیتا ہے۔ اس کے برعکس انہی کرشن جی کو ایسے منفی کردار کا مالک قرار دیا گیا ہے کہ وہ ہر کسی کی عورت کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا۔ یہ کردار جان کر کوئی شخص یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا کہ معلمِ دین ہونا تو درکنار یہ تو کوئی شریف انسان بھی نہ تھا۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ قرآن اور بائبل کے متقابل مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ قوموں نے اپنے ذہنی انحطاط اور اخلاقی زوال کے دور میں پاکیزہ ترین انسانوں کی سیرتوں کو گندی سے گندی شکل میں ڈھال دیا تا کہ وہ خود اپنی کمزوریوں کے لئے وجہ جواز پیدا کر سکیں۔ انحطاط کے زمانوں میں لوگوں نے پاکیزہ انسانوں کے ساتھ عجیب وغریب توہمات اور افسانے منسوب کر دئے۔ گویا حقیقت اور افسانے کو خلط ملط کر دیا گیا۔ مولانا مودودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس حوالے سے خصوصی ذکر کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ بھی دونوں طرح کا انتہائی رویہ اختیار کیا گیا۔ ایک طرف انہیں الوہیت یا شریک خدا کا درجہ دے دیا گیا تو دوسری جانب ان سے دشمنی میں انتہا کرتے ہوئے زبان درازیاں کی گئیں۔ (٦٨)

مولانا لکھتے ہیں کہ ان ہستیوں جن کے بارے میں ایک طرف تقدس واحترام اور دوسری جانب تصوراتی افسانے ان کی طرف منسوب کرنے میں اس بات نے بھی معاون ومددگار کا کردار ادا کیا کہ ان کی تعلیمات لکھی نہیں گئی تھیں۔ اگر لکھی گئیں تو مرورِ زمانہ کے ہاتھوں وہ محفوظ نہ رہ سکیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان ہستیوں کی تعلیمات باقی نہ بچیں اور افسانے باقی رہ گئے۔ (٦٩)

نبی کریمؐ کی حیات طیبہ کے ساتھ ان تمام حقائق کا تقابل کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ نبی کریمؐ کی

حیات طیبہ اس احتیاط کے ساتھ محفوظ ہوئی ہے کہ اب اگر اسے کوئی بدلنا چاہے بھی تو نہیں بدل سکتا۔ حضورؐ کے ساتھیوں نے آپ کی حیات مبارکہ کی جزئیات کو محفوظ کرنے کا بااعتماد اہتمام کیا جس کی بنا پر ہم آج چودہ سو برس گزرنے کے باوجود آپؐ کی سیرت طیبہ کو اتنے ہی قریب سے دیکھ سکتے ہیں جتنے قریب سے حضورؐ کے زمانے کے لوگ آپ کو دیکھ سکتے تھے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ کتابوں کا وہ ذخیرہ دنیا سے مٹ جائے جو آئمہ کرام نے سالہا سال کی محنتوں سے مہیا کیا ہے، حدیث وسیر کا ایک ورق بھی دنیا میں باقی نہ رہے جس سے نبی کریمؐ کی زندگی کا کچھ حال معلوم ہوسکتا ہو اور صرف قرآنِ مجید ہی باقی رہ جائے تب بھی ہم اس کتاب سے ان تمام بنیادی سوالات کا جواب حاصل کر سکتے ہیں۔ جو اس کتاب کے لانے والے کے متعلق ایک طالب علم کے ذہن میں پیدا ہوسکتے ہیں۔(۷۰)

۸۔ضیاء النبی ﷺ از پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ:

پیر محمد کرم شاہ کی ضیاء النبی ﷺ کا مجموعی اسلوب اگرچہ تقابلی نہیں ہے تاہم ساتویں جلد انہوں نے مستشرقین کی فکر اور اس کے تحقیقی وتنقیدی جائزہ کے لیے مختص کی ہے۔(۷۱) اس جلد کے آغاز میں مؤلف نے حدیثِ نبوی کی تدوین اور حفاظت کے سلسلے میں مستشرقین کی طرف سے کئے گئے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔(۷۲) اس سلسلے میں حضورؐ پر مرگی کے مرض کا مستشرقین کے اتہام کا واقعاتی اور علمی حقائق کی روشنی میں جائزہ لے کر اس ہرزہ سرائی کا جواب دیا ہے۔ رسول اللہ صلعم کے خاندان کے بارے میں مستشرقین کے بے بنیاد نقطہ نگاہ کا رد کیا ہے۔(۷۳) اس کے بعد اس کتاب میں حضور اکرمؐ کے اخلاق وکردار کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی مذموم حرکتوں کا جواب دیا ہے۔(۷۴) حضورؐ کے تعدد ازدواج کی عقلی وواقعاتی شواہد کی روشنی میں توضیح وتوجیہہ کی ہے۔ مصنف کی بیان کردہ تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ نے یہ شادیاں دین کی تبلیغ اور دیگر دینی مصالح کے لئے کیں۔ ازواج مطہرات کے امتیازات اور اخلاق کی بلندی اور ان کے علمی ودینی کارناموں کو مستند ماخذ کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔(۷۵)

اہلِ مغرب جہاد کا تصور مسخ کرتے ہوئے اور اسے دہشت گردی قرار دیتے ہیں۔ پیر محمد کرم شاہ نے کی وضاحت کی ہے کہ جہاد اور دہشت گردی میں نمایاں فرق ہے۔ یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اسلام کی تبلیغ کے لئے جہاد نہیں کیا گیا۔ غزواتِ نبوی کو ڈاکے قرار دینا اور یہودی قبائل کو مسلمانوں کے ہاتھوں سزا اور جلاوطنی کے واقعات کی اصل تصویر پیش کی گئی ہے۔(۷۶) پیر کرم شاہ کا اسلوب تحریر سادہ ہے۔

پیر محمد کرم شاہ نے ضیاء النبی ﷺ کی پہلی جلد کے آخری ابواب میں کتبِ سابقہ کی ان پیشین گوئیوں کا ذکر کیا ہے جو حضور اکرم ﷺ کی آمد کے بارے میں ہیں اس سلسلے میں انہوں اناجیل اربعہ کے اقتباسات پیش کئے ہیں۔ انجیل برناباس کی حقیقت پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں۔(ضیاء النبی، جلد ا، ص ۵۰۰ تا ۵۱۳) اس کے علاوہ مؤلفِ کتاب نے مختلف

ممالک کے حکمرانوں کی خوشخبریاں کے عنوان کے تحت یمن کے ایک بادشاہ سیف بن ذی یزن کا حضرت عبدالمطلب کے ساتھ ایک مکالمہ نقل کیا ہے جو حضور اکرم ﷺ کی پیدائش کے دو برس بعد یمن میں ہوا تھا۔ اس بادشاہ نے اپنی کتابوں کی روشنی میں حضرت عبدالمطلب سے کہا تھا کہ عرب میں ایک نبی آخرالزماں کے تشریف لانے کا زمانہ آ گیا ہے۔(۷۷)

اس کے علاوہ بھی بیانات نقل کئے گئے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر کتب سابقہ میں موجود تھا۔

۹۔سیرت امام الانبیاء از سید سعید الحسن شاہ:

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ اور کتب سابقہ واقعات کے تقابلی مطالعہ پر مبنی ایک کتاب سید سعید الحسن شاہ نے لکھی ہے جس کا نام ''سیرت امام الانبیاء قرآن و بائبل کی روشنی میں'' ہے۔ تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے سیرت نگاروں کے اسلوب میں نمایاں طور پر فرق بھی دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً انجیل میں مذکور ہے:

''میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا، جو کوئی تیرے دائیں گال پر تھپڑ مارتا ہے تو اپنا بائیاں گال بھی اس کے سامنے کردے۔ اگر کوئی تیرا کرتہ مانگتا ہے تو تو اپنا عمامہ بھی اس کے سامنے پیش کر دے۔''(۷۸)

اس بیان کی توضیح میں ''سیرت امام الانبیاء قرآن و بائبل کی روشنی میں'' کے مؤلف سید سعید الحسن شاہ لکھتے ہیں:

''کیا موجودہ زمانے میں انجیل کے اس حکم پر عمل کر کے، کوئی حکومت قائم رہ سکتی ہے؟ کیا یہ ہر زمانے میں قابل عمل ہے؟ یقیناً انسانیت کی فلاح و بہبود اسلام کے دامن میں ہی پوشیدہ ہے''۔(۷۹) کہ اس میں اعتدال و توازن پایا جاتا ہے۔

جبکہ سید سلیمان ندوی اسی بیان کی توضیح یوں کرتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں حالات کا تقاضا ہی یہ تھا کہ اس طرح کے قوانین نافذ کیے جاتے اس وقت شریعت موسوی کی طرح سختی اور شدت کی ضرورت نہ تھی۔ اس کتاب کے مصنف نے کتاب لکھنے کا محرک یہ بیان کیا ہے کہ عیسائی اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں اور مسلمان ارتداد کی طرف جا رہے ہیں۔ عیسائی مسلمانوں کی غربت و جہالت کا فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو ارتداد کی طرف لے جا رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک پادری ولیم مسیح نے مسلمانوں کو چیلنج کیا کہ مسیح علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں وہ اندھوں کو بینائی، کوڑھوں کو تندرستی اور مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ وہ ماں کی گود میں تھے کہ انہوں نے اپنے نبی ہونے، کتاب دیے جانے اور ماں کی پاکدامنی کا اعلان کیا۔ اس پادری نے کہا کہ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ مسیح علیہ السلام پوشیدہ باتوں کا علم رکھتے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مسیح کا کلمہ پڑھ لیں۔ مسیح بااختیار ہیں، زندہ ہیں، علم والے ہیں، مردہ بے اختیار اور بے علم نبی پر ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں۔

اس پادری کے ان خیالات اور مسلمانوں کو ارتداد کی طرف دعوت دینے کے ردعمل کے طور پر مصنف کتاب نے

اس بات کوشش کی ہے کہ یہ بات ثابت کی جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ورسالت ہی امتیازی شان والی ہے اور حضور اکرم ﷺ ہی اس کا حق رکھتے ہیں کہ ان کی نبوت ورسالت پر ایمان لایا جائے۔ مصنف کتاب نے اعداد وشمار پیش کر کے واضح کیا ہے کہ ملک میں عیسائیوں کی تعداد سال بہ سال بڑھتی چلی جارہی ہے۔(۸۰)

اس کتاب کے مصنف نے (اپنے خیال کے مطابق) انجیل کے اقتباسات اور حضرت عیسیٰ سے منسوب تعلیمات پیش کر کے واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ انجیل کی تعلیمات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی سیرت زیادہ حق رکھتی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ یہی سیرت زیادہ فطری ہے۔ مثلاً شراب ایک ناپسندیدہ چیز ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس کی مذمت اور مخالفت ہر اعتبار سے کی، لیکن انجیل میں حضرت عیسیٰؑ سے یہ معجزہ منسوب کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے چھ مٹکے جو پانی سے بھرے ہوئے تھے، فی مٹکا دو دو تین تین من کا تھا، سب شراب بنادیے اور لوگوں کو پلائی۔(۸۱) حالانکہ یہ بات حضرت عیسیٰؑ کی طرف منسوب کرنا بہت بڑا اتہام ہے۔

اسی طرح عیسیٰؑ کے حواری پولس رسول کا تیمقیس کے نام پہلا خط باب نمبر۵ آیت نمبر۲۴ میں لکھتا ہے: ''آئندہ کو صرف پانی ہے نہ پیا کرو بلکہ اپنے معدے اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا سی مَے بھی کام میں لایا کرو''۔(۸۲) اس کے مقابلے میں مصنف کتاب حضور اکرم ﷺ کی یہ صفت بیان کرتے ہیں کہ آپؐ کے بارے میں تو قرآن میں ہے: ''وہ رسول لوگوں کے لیے ستھری چیزیں حلال کریں گے اور گندی چیزوں کو حرام ٹھہرائیں گے۔''(۸۳)

اس کے ساتھ مصنف کتاب کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی صفت سورۃ الاعراف کی آیت میں یہ بتلائی گئی ہے کہ آپ لوگوں پر سے وہ بوجھ دور کریں گے، جو انہوں اپنے اوپر سود ساختہ طور پر مسلط کر رکھے ہیں۔ قرآن نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی برکت سے وہ تمام احکام جو کسی خاص وقت یا قوم کے لیے تھے اور تمام انسانوں کے لیے ہمیشہ قابل عمل رہنے ممکن نہ تھے مثلاً مال کا چوتھائی حصہ زکوۃ میں دینا، وضو کی جگہ کسی بھی حالت میں تیمم نہ کر سکنا، نماز (عبادت) صرف عبادت خانوں میں ہی ادا کر سکنا، اگر جسم پر ناپاکی لگ جائے تو اس کی جگہ جلا ڈالنا یا کاٹنا، مال غنیمت حرام ہونا وغیرہ ایسے اعمال تھے جن پر ہمیشہ عمل نہیں کیا جا سکتا تھا یہ یہود کے لیے ان کی سرکشی کی وجہ سے عائد کیے گئے تھے، جب یہ سرکش لوگ نہ رہے اور مخاطب دوسرے لوگ آگئے تو پھر دین میں یہ سختیاں ختم کردی گئیں۔(۸۴)

مصنفِ کتاب لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے معراج پر جانے کی تصدیق قیصر روم کے دربار میں ایک پادری نے کی تھی۔ مصنف نے حضور ﷺ کے معجزات کا ذکر کر کے واضح کیا ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کے معجزات تھے تو حضور اکرم ﷺ کے بھی لاتعداد معجزات ہیں۔ اس مصنف نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور ﷺ کے معجزات بیان کر کے واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ہستیوں کو ان کی شان اور مخاطبین اور وقت کی ضرورت کی مناسبت سے معجزات دیے۔ اس لئے ان

معجزات کا تقابل کرنا زیادہ مناسب نہیں ہے۔اس کتاب کے مصنف کا یہ انداز بیان ہے کہ وہ انجیل وتوراۃ کی ایک بات بیان کرتے ہیں جس میں نبی کریمؐ کی کوئی امتیازی حیثیت بیان کی گئی ہے اور پھر اس کی ہم مضمون آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں۔کتاب کا انداز مناظرانہ ہے۔

مصنف نے اپنے مقصد تصنیف کی مناسبت سے نبی کریمؐ کی رسالت کے امتیازی پہلو بیان کیے،ان میں وہ دلائل بھی شامل ہیں جو ختم نبوت سے تعلق رکھتے ہیں اور جن میں واضح کیا گیا ہے کہ نبوت کی عالی شان عمارت کی تکمیل حضورﷺ نے فرمائی۔وہ لکھتے ہیں کہ موجودہ تورات وانجیل میں لکھا ہے کہ ایک آنے والا آئے گا اور جو کچھ میں نے بیان نہیں کیا وہ آنے والا وہ کچھ بتائے گا۔یعنی ہر نبی نے اپنے بعد آنے والے نبی کو بشارت دی،ایسے ہی عیسیٰؑ نے بشارت دی کہ میرے بعد نبی آئے گا اور عیسائیوں کو آنے والے نبی کا انتظار بھی تھا۔یوحنا کی انجیل میں ہے:حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:

''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے،کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا،تو وہ ''مددگار'' تمہارے پاس نہ آئے گا،لیکن اگر جاؤں گا،تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔''(۸۵)دوسری جگہ ہے:''اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے،تو تم یقین کرو۔اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا،کیونکہ دُنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔(۸۶)

مصنف نے حضرت عیسیٰؑ کی ان پیشین گوئیوں کے مضمون کا سلسلہ قرآن مجید کی ہم مضمون آیات جن میں حضورؐ کی رسالت کے امتیازات بیان ہوئے ہیں،ان کے ساتھ جوڑ کر اس مضمون کی تکمیل کی ہے،نبی کریمؐ کی سیرت کی دائمیت و عالمگیریت سے متعلق آیات قرآنیہ بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی انجیل کے وہ اقتباسات پیش کرتے ہیں جن میں بیان ہوا ہے کہ اللہ کے پیغام کی تکمیل کے لئے ایک آنے والا آئے گا۔''لیکن جب وہ یعنی سچائی کا رُوح آئے گا،تو تم کو سچائی کی راہ کھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے (کچھ) نہ کہے گا،لیکن جو کچھ سنے گا،وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔''(۸۷)

مصنف لکھتے ہیں کہ بنو تمیم کے کچھ قیدی حضورﷺ کے پاس لائے گئے،انہیں چھڑانے کے لیے وہ اپنے بہترین شاعر اور مقرر لے کر حضورﷺ سے مقابلہ کرنے کے لیے آئے،ان کے تین خطیبوں اقرع بن حابس،عطارد بن حاجب،زبرقان بن بدر نے اپنے جوہر دکھائے،ان کے مقابلے میں نبی کریمﷺ نے حضرت ثابت بن قیس اور حضرت حسان بن ثابت کو کھڑا کیا،انہوں نے ایسے فصیح خطبے دیے کہ بنو تمیم کو حضورﷺ اپنی شکست ماننا پڑی،وہ مسلمان ہوئے،ان کے قیدی چھوڑ دیے گئے،اور بڑے خوش گوار ماحول میں تحائف لے کر یہ لوگ واپس گئے،اس واقعے کے بیان سے مصنف کا مقصد یہ ہے کہ حضورﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہر پہلو سے کفار پر بالادستی عطاء فرمائی،تعلیمات،اخلاق وکردار،سپہ گری اور خطابت وشاعری میں بھی اللہ نے آپ کو برتری عطاء فرمائی۔اگرچہ بنو تمیم کے ساتھ اس مناظرے سے قبل آپ نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ میں

شعر گوئی اور مفاخرت کے لیے پیدا نہیں ہوا۔(۸۸)

مصنف نے اپنی کتاب کا تیسرا باب پہلی کتب سماوی میں ذکر مصطفیٰ و واقعات علماء اہل کتاب کے عنوان سے لکھا ہے۔اسی باب میں موجودہ بائبل اور ذکر حضور ختم الرسل ﷺ کے عنوان سے فصل قائم کی ہے۔اس میں اناجیل میں موجود نبی کریمؐ کی تشریف آوری کے سلسلے میں بیانات نقل کیے ہیں۔اس کتاب کے صفحہ ۱۹۴ سے صفحہ ۲۰۳ تک ان بشارتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔یہ باب صفحہ نمبر ۱۶۹ سے صفحہ ۲۲۱ تک ہے۔اس میں اناجیل کے اقتباسات دیے گئے ہیں۔

چوتھا باب صفحہ ۲۲۲ سے ۲۷۹ پھیلا ہوا ہے۔اس میں موجودہ عیسائیت کی تاریخ درج ہے پولوس کا مذہب اور عیسائیت میں پیدا ہونے والی مختلف تبدیلیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ان تمام تفصیلات کا مقصد یہ ہے کہ مصنف واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اگر چہ انجیل معتبر نہیں رہی،عیسائیت کے عقائد میں تبدیلیاں ہوتی رہیں لیکن اس کے باوجود اب بھی حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری حضرت عیسیٰؑ کی زبانی حضورؐ کی صداقت و برتری کا ذکر موجود ہے۔اس باب کے اندر مصنف نے توحید پر سائنسی اور عقلی و نقلی دلائل دیے ہیں۔

پانچواں باب صفحہ ۲۶۰ سے ۳۲۲ میں حضور امام الانبیاء ﷺ بحیثیت محافظ عصمت انبیاء علیہم السلام کے عنوان سے لکھا ہے۔اس باب میں اناجیل کے ایسے اقتباسات پیش کیے گئے جن میں ایسی باتیں بیان ہوئیں ہیں جن میں انبیاء کی عصمت پر حرف آتا ہے اور یہ باتیں انبیاء کی شان کے منافی ہیں،گویا یہ سب باتیں بعد کے زمانوں میں اناجیل میں شامل کردی گئی ہیں۔ بائبل اور قرآن کے تقابلی جائزہ سے واضح کیا گیا ہے کہ قرآن کے بیانات مستند اور انبیاء کی شان کے مطابق ہیں۔

چھٹے باب میں حلیہ مبارک امام الانبیاء کے عنوان سے تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ساتویں باب میں سیرت امام الانبیاء علیہ الصلوہ والسلام اور غیر مسلم مدبرین کے تاثرات بیان کیے گئے ہیں،اس باب میں صفحہ ۳۲۳ سے ۳۵۱ تک تقریبا تیس غیر مسلموں کے بیان نقل ہوئے ہیں جنہوں نے نبی کریمؐ کی سیرت کے امتیازی پہلوؤں سے تعریف و توصیف کی ہے۔اگر چہ یہ الگ بات ہے کہ ان لوگوں کی تعریف و توصیف بھی محض کسی نہ کسی مخفی مقصد کے تحت ہی ہوتی ہے۔اگر ایک مستشرق ایک پہلو سے حضور ﷺ کے تعریف کرتا ہے تو دوسرے پہلو سے وہ تنقیص کرتا دکھائی دیتا ہے۔اور مسلمانوں کا نقطہ نگاہ یہی ہونا چاہیے کہ ٹھیک ہے یہ لوگ حضور ﷺ کی تعریف ضرور کرتے ہیں لیکن آپ کا مقام و مرتبہ مستشرقین کے خراج تحسین کا محتاج نہیں ہے۔

آٹھواں باب صفحہ ۳۵۲ سے ۴۲۱ تک ہے اس میں بارگاہ خیر الانام امام الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام میں غیر مسلم شعراء کا ہدیہ عقیدت کے عنوان سے حضور ﷺ کو غیر مسلموں کا منظوم خراج عقیدت نقل کیا گیا ہے۔

۱۰۔ محمد فی التوراۃ والانجیل والقرآن از ابراہیم خلیل اُحمد:

عربی زبان میں تحریر اس کتاب میں مصنف نے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں قرآن حکیم میں مذکورہ بشارات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں کتب سابقہ توراۃ وانجیل میں بھی جن مقامات پر آپ کا تذکرہ صراحۃً یا کنایۃً آیا ہے ان سب پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ پوری کتاب باحوالہ ہے اور دس ابواب اور ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ (۸۹)

۱۱۔ رسول کریم ﷺ کی شان وعظمت از ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی:

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی کی کتاب قرآن حکیم کی روشنی میں رسول کریمؐ کی شان وعظمت، مطبوع اس کتاب میں انہوں نے سیرت طیبہ کے تقابلی مطالعہ میں یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ آج کے دور میں مستشرقین نے نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ کے بارے میں حقائق مسخ کیا ہے اور آپ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی منظم کوششیں کی ہیں۔ انہوں نے مستشرقین کے سیرت طیبہ کے بارے میں گھناؤنے اعتراضات کے حوالے سے ایک طرف اعتراضات کرنے والوں کے اقتباسات اور دوسری جانب ان لوگوں کے بیانات بھی نقل کیے ہیں جنہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے، سیرت طیبہ کے بارے میں مستشرقین غیر جانبدار نہیں رہ سکے اور انہوں نے آپؐ کی صداقت کا اقرار کیا ہے۔ گویا یہ واضح کیا ہے کہ اگر ایک طرف متعصب اہل مغرب موجود ہیں تو ان کا رد کرنے والے بھی موجود ہیں، انہوں نے نبی کریمؐ کی دائمیت اور عالمگیریت کی بنیاد پر آپ کی امتیازی شان بیان کی ہے۔ اس کتاب کے مصنف نے یہودیوں اور عیسائیوں کی اسلام اور نبی کریمؐ سے مخاصمت وعداوت کے اسباب بیان کیے ہیں کہ ان دونوں مذاہب کے لیے یہ بات ناقابل قبول ہے کہ حضور ﷺ کا تعلق حضرت اسماعیلؑ سے کیوں تھا کیونکہ بنی اسرائیل نبوت کے سلسلہ میں اپنے آپ ہی کو اصل حقدار سمجھتے تھے۔

خلاصہ بحث:

بطور خلاصہ بحث کے تین نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ سیرت نبوی ﷺ کے تقابلی مطالعہ کے جائزہ ست معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اس پہلو سے اعتناء کیا ہے، بالخصوص بیسویں صدی عیسوی میں۔ فرق صرف یہ ہے کہ متقدمین سیرت نگاروں نے آپؐ کے اس پہلو کو سابقہ کتب میں بشارات تک محدود رکھا۔ جبکہ موجودہ دور میں اس مطالعہ میں بہت وسعت پیدا ہوئی۔ اور اب آپؐ کی ذات کے علاوہ اخلاق وصفات اور تعلیمات میں بھی تقابل کتب میں موجود ہیں۔

۲۔ غیر مسلموں کا اسلام اور پیغمبر اسلام کے مطالعہ کے رجحان نے بھی اس پہلو کو مہمیز دی ہے کہ انہوں نے سیرت کے جملہ پہلوؤں کا مطالعہ کیا اور اپنے ہادیان سے موازنہ کیا۔ اس طرح پیغمبر اسلام کی عظمت وبرتری سامنے آئی ہے۔

۳۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سیرت کے تقابلی مطالعہ سے ہم مسلمانوں میں آپؐ کی سیرت، اخلاق وصفات اور تعلیمات بہتر طور پر راسخ کر سکتے ہیں۔ اور غیر مسلموں کو اس طرف مزید راغب کر سکتے ہیں۔ وما توفیقی الّا باللہ

حواشی وحوالہ جات

۱۔ الاعراف:۱۵۷

۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، محمد بن اسماعیل، باب التیمم، حدیث نمبر ۳۳۵

۳۔ البقرۃ:253

۴۔ بنی اسرائیل:۵۵

۵۔ البقرۃ:۲۸۵

۶۔ البخاری: الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۲۲۳۵، باب مَا یُذْکَرُ فِی الْإِشْخَاصِ وَالْخُصُومَةِ بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْیَهُودِ)

۷۔ البقرۃ:۲۵۳

8 منصور پوری، قاضی سلیمان: رحمۃ للعلمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، س ن، ج ۲، ص ۲۵۶

۹۔ ندوی، سید سلیمان، خطبات مدراس، المیزان ناشران و تاجران کتب، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۲۴

۱۰۔ منصور پوری، حوالہ مذکور

۱۱۔ ایضا، ج ۲، ص ۴۹

۱۲۔ ایضا، ص ۱۲۸۔۱۳۹

۱۳۔ ایضا، ج ۲، ص ۱۷۱

۱۴۔ ایضا، ج ۲، ص ۲۱۴

۱۵۔ ایضا، ج ۲، ص ۲۵۴

۱۶۔ ایضا، ج ۳، ص ۲۶۔۲۸

۱۷۔ البقرۃ:۱۵۱

۱۸۔ منصور پوری، حوالہ مذکور، ج ۳، ص ۵۲

۱۹۔ سورۃ الاسراء:۸۵

۲۰۔ البقرۃ:۱۵۱

۲۱۔ منصور پوری، حوالہ مذکور، ج ۳، ص ۵۵

۲۲۔ ایضا، ج ۱، ص ۵۹، ۶۰

۲۳۔ ایضا

۲۴۔ ایضا

۲۵۔ کتاب السموئل ۱۲، ۱۳، ۱۴، درس ۱۹ باب

۲۶۔ خطبات مدراس، حوالہ مذکور، ص ۷

۲۶a۔ ایضا، ص ۱۶۔۲۰

۲۷۔ ایضا، ص ۳۸

۲۸۔ ایضا، ص ۲۲۔۳۴

۲۹۔ سورۃ الاحزاب:۲۱

۳۰۔ خطبات مدراس، حوالہ مذکور

۳۱۔ خطبات مدراس، حوالہ مذکور، ص ۷۱

۳۲۔ خطبات مدراس، حوالہ مذکور، ص ۸۰

۳۳۔ ایضا، ص ۶۲

۳۴۔ ایضا، ص

۳۵۔ خطبات مدراس، حوالہ مذکور، ص ۳۵

۳۶۔ ایضا، ص

۳۷۔ النحل:۹۰

۳۸۔ ندوی، سید سلیمان، سیرۃ النبی، ج ۶، ص ۵۲

۳۹۔ ایضا

۴۰۔ سورۃ یوسف:۹۲

۴۱۔ ندوی، سید سلیمان، حوالہ مذکور

۴۲۔ ندوی، سید سلیمان، حوالہ مذکور

۴۳۔ ندوی، سید سلیمان، حوالہ مذکور

۴۴۔ گیلانی، مناظر احسن: النبی الخاتم ﷺ، دار الاشاعت کراچی، ۱۹۰۸ء، ص ۹

۴۵۔ ایضا،ص۱۲ ۴۶۔ ایضا،ص۲۵

۴۷۔ ایضا،ص۲۰ ۴۸۔ ایضا،ص۲۵

۴۸a۔ استثناء، باب۳۴ ۴۹۔ پیدائش، باب۱۷،۲۰

۵۰۔ زبور، باب:۱۸ ۵۱۔ گیلانی، حوالہ مذکور،ص۳۴-۳۹

۵۲۔ نعیم صدیقی: محسن انسانیت ﷺ، الفیصل ناشران لاہور، ۲۰۰۱ء، ص۴۹

۵۳۔ ایضا،ص۵۴

۵۴۔ یہ کتاب انوار الصوفیہ لاہور کے مختلف شماروں میں ۱۹۱۲ء اور ۱۹۱۳ء میں سلسلہ وار مضامین کی صورت میں شائع ہوئی۔ بعد میں کتابی شکل میں چھپی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۳ء میں مولانا غلام رسول گوہر نے شائع کیا۔ تیسرا ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں چھپا۔ اس کے بعد محمد صادق قصوری نے شائع کی ہے۔ اس کتاب میں قرآنی آیات کا ترجمہ بھی پیش کیا گیا جو اس سے قبل موجود نہیں تھا۔ اس کے علاوہ پہلے ایڈیشنوں کے مقابلے میں عبارات میں بھی تسلسل پیدا کیا گیا۔

۵۵۔ افضل الرسل، ص۷،۸ ۵۶۔ ایضا،ص۲۸

۵۷۔ ایضا،ص۲۹

۵۸۔ الطور:۳۳، بنی اسرائیل:۸۸، یونس:۳۸، ہود:۱۳، البقرۃ:۲۳،۲۴

۵۹۔ البقرۃ:۵۷،۶۳، الاعراف:۱۰۷، الشعراء:۳۲-۵۱

۶۰۔ آل عمران:۳۸-۴۹ ۶۱۔ الحجر:۷۲

۶۲۔ آل عمران:۸۱

۶۳۔ اس کیلئے سورۃ الحجرات کی آیات ایک تا ۵ اور النور کی آیات نمبر ۶۲، ۶۳ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ امتیازی شان آپ ہی کے ساتھ مختص ہے

۶۴۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سیرت سرور عالم ﷺ، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۹۹ء

۶۵۔ مودودی، حوالہ مذکور، ج۱، ص۶۱۱-۷۰۹

۶۶۔ سیرت سرور عالم، جلد دوم، ص:۲۷

۶۷۔ ایضاً، ۲/۲۷ ۶۸۔ ایضاً، ۲/۳۰

۶۹۔ ایضاً، ۲/۳۰-۳۱ ۷۰۔ ایضاً، ۲/۳۱

۷۱۔ ضیاء النبیؐ از پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور، ۱۴۲۰ھ

۷۲۔ ایضا،ص۱۵-۱۵۱ ۷۳۔ ایضا،ص۱۶۹-۳۹۱

۷۴۔ ایضا،ص۳۶۰-۴۲۲ ۷۵۔ ایضا،ص۴۲۳-۵۱۷

۷۶۔ ایضا،ص۵۱۷-۵۹۱ ۷۷۔ ایضا،ج۱،ص۵۱۴-۵۱۵

۷۸۔ متی باب۵ آیت ۴۰-۴۱ ۷۹۔ سیرت امام الانبیاء،ص۴۰

۸۰۔ سیرت امام الانبیاء، مقدمہ،ص۱۱ ۸۱۔ انجیل یوحنا، باب۲، آیات ۶ تا ۱۱

۸۲۔ انجیل مقدس، پاکستان، بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، صفحہ ۳۶۸

۸۳۔ الاعراف:۱۵۷

۸۴۔ سیرت امام الانبیاء، ص۳۹، ۴۰

۸۵۔ باب ۱۶، آیت ۷

۸۶۔ باب ۱۵، ۲۹۔۳۰

۸۷۔ خود عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: ''میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا، اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔(متی، باب ۱۵، آیت ۲۴) موجودہ انجیل میں ہے: ''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا، کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے، اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں''۔(انجیل یوحنا، ب۴، آیت ۳۰)

دوسری جگہ ہے: ''لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا، تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔''(انجیل یوحنا، باب ۱۶، آیت ۱۳)

۸۸۔ سیرت امام الانبیاء ص۸۲، ۸۳

۸۹۔ ابراہیم خیل اُحمد: محمد فی التوراۃ والإنجیل والقرآن، دار المنار قاہرہ، ۱۴۰۹ھ